خانقاہ اشرفیہ اختریہ مقیمیہ و مدرسہ احیاء السنہ کا ترجمان اور دینی علمی تبلیغی و اصلاحی سلسلہ

التربیت

فاروقہ (سرگودھا)

۳۲

شعبان المعظم، رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ مطابق جون، جولائی ۲۰۱۵ء

بیادگار شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی و بفیضِ دعا

پیرِ طریقت عارفِ وقت حضرت اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم

(مہتمم یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ لاہور)

رمضان المبارک کے مہینہ کا اثر سارا سال رہتا ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

”تجربہ اور مشاہدہ سے رمضان المبارک کا یہ خاصہ ثابت ہوا ہے کہ رمضان المبارک میں جن معاصی اور ناجائز نفسانی خواہشوں سے آدمی بچتا ہے، تمام سال اُس کا یہ اثر رہتا ہے کہ بچنا آسان ہوتا ہے۔ اس لیے ہمت کر کے اس ماہ میں تمام معاصی خواہ اعضاءِ ظاہری سے اُن کا تعلق ہو یا قلب سے، سب سے بچو“۔ (سال بھر کے مسنون اعمال: ۲۳)

خط و کتابت و ترسیل کا پتہ

مدرسہ احیاء السنہ و خانقاہ اشرفیہ اختریہ مقیمیہ

فاروقہ (پوسٹ کوڈ ۴۰۱۰۰) ضلع سرگودھا 0301/0335-6750208

ehyaussunnah@gmail.com | www.ehyaussunnah.blogspot.com

طبیعت کی رَو زور پر ہے تو رُک
نہیں تو یہ سَر سے گزر جائے گی
ذرا دیر کو تُو ہٹا لے خیال
یہ ندی چڑھی ہے اُتر جائے گی
خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ

ہمیں نقشِ قدمِ اشرف علی ملحوظ رکھنا ہے ○ جو کچھ فرما گئے ہیں وہ اُسے محفوظ رکھنا ہے

خانقاہ اشرفیہ اختریہ مُقیمیہ و مدرسہ احیاء السُّنہ کا ترجمان اور دینی علمی تبلیغی و اصلاحی سلسلہ

شعبان المعظم، رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ مطابق جون، جولائی ۲۰۱۵ء ◉ سلسلہ نمبر ۲، ۳

بیادگار

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی و فیضِ دُعا

پیرِ طریقت عارفِ وقت حضرت اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم

(مہتمم یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ لاہور)

خط وکتابت و ترسیل کا پتہ

مدرسہ احیاء السُّنہ و خانقاہ اشرفیہ اختریہ مُقیمیہ

فاروقہ (پوسٹ کوڈ ۴۰۱۰۰) ضلع سرگودھا 0301/0335-6750208

ehyaussunnah@gmail.com | www.ehyaussunnah.blogspot.com

فہرست

آئینۂ التربیت

مضامین قرآن

مضامین حدیث

ملفوظاتِ اکابر

مقالات و مضامین

آئینۂ التربیت

''خادمِ خاص حضرت والا'' (میرؔ صاحب) کا سانحۂ ارتحال

مُدیر کے قلم سے

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ، نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، اَمَّا بَعۡدُ!

؎ اک میرِ خستہ حال بھی اخترؔ کے ساتھ ہے
گزرے ہے خوب عشق کی لذت لیے ہوئے

یہ شعر ہمارے محبوب شیخ و مرشد سُلطان العارفین قطب الارشاد شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرت والا مولانا شاہ حکیم محمد اخترؔ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا اپنے خادم، عاشق مُرید، مواعظ و ملفوظات کے جامع و مرتب اور خلیفہ مجازِ بیعت حضرت سیّد عشرت جمیل میرؔ صاحب کے بارے میں ہے جو تقریباً ۴۶ برس تک حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ سفر و حضر میں خدمت کے لیے رہے، اسی وجہ سے آپ ''خادمِ خاص حضرت والا'' کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت میرؔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ''فنافی الشیخ'' تھے، چنانچہ شیخ کے وصال کے بعد جو چند اشعار ''نالۂ غم در یادِ مرشدِ عالم'' کے عنوان سے کہے، اس میں ان کے قلب کا درد و غم اور محبتِ شیخ جھلکتی ہے، پہلے دو مصرعے ملاحظہ ہوں ؎

اب ہجر میں ان کی یاد میں ہم آنکھوں سے لہو برساتے ہیں
دل خون کے آنسو روتا ہے، نالے بھی فلک تک جاتے ہیں

۱۳؍رجب المرجب ۱۴۳۶ھ مطابق ۲؍مئی ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ بعد نمازِ عشاء رات احقر کو موبائل فون پر اطلاع ملی کہ ''حضرت میرؔ صاحب انتقال فرما گئے ہیں''، یہ خبر سن کر دل کو ایک جھٹکا لگا، بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے، فوراً اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا، پھر حضرت میرؔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایصالِ ثواب کیا اور دُعا کی۔

حضرت میرؔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کئی سالوں سے شدید علیل تھے، لیکن حضرت والا اقدس سرہٗ کے وصال کے بعد چند مہینوں سے لاحق امراض میں شدت آ گئی تھی، بالآخر طویل علالت کے بعد

ساڑھے دس بجے شب داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ نمازِ جنازہ اگلے دن بروز اتوار صبح سوا چھ بجے جامعہ اشرف المدارس (گلستانِ جوہر، کراچی) میں اَدا کی گئی، نمازِ جنازہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ (گلشنِ اقبال کراچی) کے مسند نشین، حضرت والا مجدّدِ زمانہ قدس سرہٗ کے علمی، رُوحانی اور نسبی جانشین محبوب العارفین حلیم الامت مخدوم الملّت عارف باللہ سیّدی و مرشدی حضرت والا مولانا شاہ حکیم محمد مظہؔر صاحب دامت برکاتہم وعمّت فیوضہم نے پڑھائی، اور تدفین حضرت والا اقدس سرہٗ کے مرقد مبارک کے قریب ہوئی۔

حضرت والا مجددِ زمانہ نور اللہ مرقدہٗ کے متعلقین اور محبین سب کے لیے حضرت میؔر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحلت بلاشبہ ایک عظیم سانحہ ہے، اس لحاظ سے ہم سب ہی قابلِ تعزیت ہیں۔ عارفِ وقت حضرت شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب مدظلہم، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالقدوس ترمذی صاحب مدظلہم، حضرت قاری محمد عبیداللہ ساجد صاحب مدظلہم کی جانب سے احقر اظہارِ تعزیت اور دُعائے مغفرت کرتا ہے۔

ربِّ کریم حضرت میؔر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی جملہ حسنات وخدمات قبول فرمائے، خطاؤں کو درگزر فرما کر بے حساب مغفرت وبخشش فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام اہلِ تعلق واہلِ محبت کو صبرِ جمیل عطا فرما کر سچے اللہ والوں سے جُڑے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ربِّ کریم ہمارے محبوب شیخ جانشینِ اختر یادگارِ اختر خوشبوئے اختر حضرت والا مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب عمّت فیوضہم کا سایۂ عاطفت مع صحت وعافیت ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔ آمین۔

....

ماہِ صیام یعنی ’’رمضان المبارک‘‘ کی بھی آمد ہے جو ولی ساز اور نیکیوں کا موسمِ بہار مہینہ ہے، اس میں سب سے اہم چیز ’’روزہ کی فرضیت‘‘ ہے، افسوس! جس سے آج ہمارے اکثر نوجوان مسلمان غافل اور باغی ہوتے جارہے ہیں۔ اس لیے اس شمارہ میں خاص اس موضوع پر ایک اہم مضمون شامل کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے روزہ رکھنے کا شوق پیدا ہوگا اور رمضان المبارک جیسے مقدس مہینہ کی نعمت کی قدر ہوگی، اِن شآء اللہ العزیز۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

انتخاب از: ’’خزائن القرآن‘‘

تلاوت سے پہلے تسمیہ کی حکمت... لطائف و معارف سورۂ فاتحہ

از افادات: شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تلاوت سے پہلے تسمیہ کی حکمت:

اس کے بعد بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے، قرآنِ پاک کی ابتداء ان تین ناموں سے ہوئی ہے؛ ’’اللہ‘‘ اسمِ ذات ہے جو تمام صفات کا حامل ہے، اور اسمِ اعظم ہے، اور یہ نام سوائے اللہ کے کسی دوسرے کا نہیں ہوسکتا، الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اس کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تسمیہ میں اپنا تعارف کرا کے بندوں کو اُمید دلائی ہے کہ جس مالک کا تم نام لے رہے ہو وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

سورۃ الفاتحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾
اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾
صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ٪﴿۷﴾

لطائف و معارف سورۂ فاتحہ:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کے معنیٰ ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے خاص ہیں۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے تفسیر پڑھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ تعریف کی چار قسمیں ہیں:

❶ بندہ اللہ کی تعریف کرے۔

۲ اللہ بندہ کی تعریف کرے۔

۳ بندہ بندے کی تعریف کرے۔

۴ اللہ خود اپنی تعریف کرے۔

اور یہ چاروں قسمیں اللہ کے لیے خاص ہیں، کوئی مخلوق اس لائق نہیں کہ اس کی تعریف کی جائے، اگر کسی کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ دراصل اللہ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ بندہ میں اگر کوئی خوبی ہے بھی تو وہ اللہ ہی کی عطا ہے۔ اگر کسی بھیک منگے کو بھیک کے پیالے میں کوئی ایک کروڑ کا موتی دے دے تو اس میں بھیک منگے کا کیا کمال ہے؟ یہ تو دینے والے کا کمال ہے۔ ہمارے پاس جو نعمتیں اور خوبیاں ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بھیک ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے ہمارا کوئی کمال نہیں۔ اس لیے تعریف کے قابل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، سب کمالات اللہ کے لائق ہیں، اللہ پاک نے ہمیں اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ فرمایا ہے، ہم تو ان کے رجسٹرڈ فقیر ہیں، جب ہم فقیر ہیں تو ہماری ہر چیز بھیک ہے؛ آنکھ کی بینائی، کان کی شنوائی، زبان کی گویائی وغیرہ تمام نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب چاہتے ہیں واپس لے لیتے ہیں، ہم اپنے جسم و جان کے مالک نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں اپنے اعضاء کو مرضی الٰہی کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر کوئی شخص کرتا ہے تو وہ مُجرم ہے۔ اور اسی وجہ سے ''خودکشی'' حرام ہے، کیونکہ کوئی شخص اپنی جان کا مالک نہیں ہوتا، لہٰذا اس کو اجازت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جان میں تصرف کرے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے معنیٰ ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو پالنے والا ہے ہر ہر عالَم کا۔ عالمین جمع ہے عالَم کی، اور عالَم ''علم'' سے ہے جس کے معنیٰ ہیں ''نشان''۔ چونکہ عالَم کا ذرّہ ذرّہ اللہ کے وُجود کی نشانی ہے، ہر چیز اللہ کے وُجود پر دلالت کرتی ہے اس لیے اس کو عالَم کہا جاتا ہے۔ اور عالمین جمع ہے، کیونکہ مخلوقات کی ہر جنس کا الگ الگ عالَم ہے جیسے: عالَمِ انسان، عالَمِ جنات، عالَمِ نباتات، عالَمِ جمادات، عالَمِ ناسوت، عالَمِ لاہوت، عالَمِ ملکوت اور عالَمِ جبروت وغیرہ ہزاروں عالَم ہیں اور سارے عالموں کا پالنے والا اللہ ہے۔

عالمِ لاہوت پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک بدعتی پیر اپنے مریدوں پر رُعب جما رہا تھا کہ میں عالمِ لاہوت، عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت کی سیر کر رہا ہوں، اس مجلس میں ایک صحیح العقیدہ بزرگ بھی موجود تھے ان سے اس پیر نے پوچھا کہ آپ کس عالَم میں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں تو ''عالمِ کھاہوت'' میں رہتا ہوں۔ یعنی خوب کھاتا ہوں، اور یہ دراصل انہوں نے اس پر چوٹ کی کیونکہ جعلی پیروں کا مقصد کھانا، پینا اور پیسے بنانا ہے۔

خیر یہ تو ایک لطیفہ کی بات تھی۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ سارے عالم کو کیسے پالتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! سامنے جو پتھر کی چٹان ہے اس پر لاٹھی مارو۔ آپ نے لاٹھی ماری تو پتھر کی ایک چٹان اُڑ گئی۔ حکم ہوا کہ اَور مارو، دوسری بار لاٹھی ماری تو چٹان کی ایک اور تہہ اُڑ گئی، پھر حکم ہوا کہ اور مارو، تیسری بار پوری چٹان ٹوٹ گئی، تو دیکھا کہ اندر ایک چھوٹا سا کیڑا بیٹھا ہوا ہے جس کے منہ میں تازہ گھاس کا ہرا پتّہ ہے اور وہ یہ تسبیح پڑھ رہا تھا:

سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ وَ یَسۡمَعُ کَلَامِیۡ

وَ یَعۡرِفُ مَکَانِیۡ وَ یَرۡزُقُنِیۡ وَ لَا یَنۡسَانِیۡ

پاک ہے وہ اللہ جو مجھے دیکھ رہا ہے اور جو میری بات کو سن رہا ہے اور جو میرا گھر جانتا ہے اور جو مجھ کو رزق پہنچاتا ہے اور جو مجھ کو کبھی نہیں بھولتا۔ یہ واقعہ تفسیر روح المعانی میں وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُھَا کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہوا ہے۔

سوال یہ ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، لیکن ہم کو اللہ کی پہچان کیسے ہو گی؟ کیونکہ اللہ کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ تو آگے فرماتے ہیں کہ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ میں سارے عالَم کا ربّ ہوں، میری ربوبیت سے مجھے پہچانو۔ ''رَبِّ'' کے معنیٰ ہیں ''تربیت کرنے والا، پرورش کرنے والا''۔

اَلَّذِیۡ یَجۡعَلُ النَّاقِصَ کَامِلًا شَیۡئًا فَشَیۡئًا

اَیۡ عَلٰی سَبِیۡلِ التَّدۡرِیۡجِ

جو ناقص کو آہستہ آہستہ کامل بنا دے۔ بچہ چھوٹا سا پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے

آہستہ آہستہ پندرہ سال کا جوان ہو جاتا ہے۔ زمین میں آپ درخت کا بیج ڈالتے ہیں جس سے چھوٹا سا پودا نکلتا ہے جو آہستہ آہستہ پورا درخت بن جاتا ہے۔ اسی طرح سلوک میں ترقی آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ آج ہی سلسلہ میں داخل ہوئے اور آج ہی جنید بغدادی بن جائیں، اس لیے جلد بازی اور تعجیل مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ربّ الاجسام بھی ہیں اور ربّ الارواح بھی ہیں، خالق الارزاق البدنیۃ بھی ہیں اور خالق الارزاق الروحانیۃ بھی ہیں، یعنی ہمارے جسم کو بھی غذا دیتے ہیں اور ہمارے روح کو بھی غذا دیتے ہیں۔ جسمانی غذا ماں باپ کے ذریعہ دیتے ہیں اور رُوحانی غذا اور انبیاء اور اَولیاء کے ذریعہ دیتے ہیں، اور وہ ''ذکر وعبادت'' ہے جس سے رفتہ رفتہ تربیت ہوتی ہے۔ جس طرح جسم پندرہ سال میں بالغ ہوتا ہے تو رُوح کے بالغ ہونے میں بھی کچھ زمانے لگے گا۔ یہی شانِ ربوبیت ہے اور یہی اللہ کے اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کی دلیل رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہے، اگر کوئی بچے پوچھے کہ کیا دلیل ہے کہ آپ ہمارے اَمّاں اَبّا ہیں، تو ماں باپ کہیں گے کہ ہم تمھیں پال رہے ہیں، یہ پالنا ہی دلیل ہے کہ تم تمھارے اَمّاں اَبّا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہے کہ میں تمھیں پال رہا ہوں، تمھارے پالنے کے لیے میں نے زمین وآسمان، چاند، سورج، بادل اور ہوائیں سارا نظامِ قدرت پیدا کیا ہے اور ساری کائنات کو تمھاری خدمت میں لگا دیا ہے۔ ایک لُقمہ جو تمھارے منہ تک پہنچتا ہے اس میں زمین و آسمان، چاند اور سورج، بارش اور ہوائیں غرض پوری کائنات خدمت میں لگی ہے، تب ایک لُقمہ تیار ہوا ہے، لہٰذا میری ربوبیت دلیل ہے میری الوہیت کی، تمھیں پالنا دلیل ہے کہ میں تمھارا اللہ ہوں، تمھاری پرورش میں پوری کائنات کو میں نے تمھارا خادم بنا دیا، تو سوچو کہ تم کس لیے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الدُّنۡیَا خُلِقَتۡ لَکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ خُلِقۡتُمۡ لِلۡاٰخِرَۃِ

(تخریج احادیث الاحیاء، رقم الحدیث: ۳۱۸۷)

یعنی ساری دنیا تمھارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ حضرت سعدؔی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

بادل اور ہوائیں اور چاند سورج تیری خدمت میں لگے ہوئے ہیں تاکہ جب تو روٹی ہاتھ میں لے تو غفلت سے نہ کھائے، سارا جہاں تیرا مطیع و فرماں بردار بنا دیا گیا، تو یہ سخت ظلم ہے کہ ایسے محسن مالک کی تو فرماں برداری نہ کرے۔ (ص:۱۸۔۲۱)

......★......

مقدر کا رزق مل کر رہتا ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ اگر کسی کو ایسی کوٹھڑی میں بند کر دیں کہ وہ چاروں طرف سے بند ہو، تو رزق کہاں سے آئے گا؟ فرمایا کہ: جہاں سے موت آئے گی، یعنی اللہ تعالیٰ موت کی طرح رزق کو بھی اندر پیدا کر دیتا ہے۔

سبحان اللہ! کیا جواب دیا ہے، اور اس رزق کے آنے کو ایسی حالت میں کوئی بعید نہ سمجھے ایسا واقع بھی ہوا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام جب حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں تو جب زکریا علیہ السلام تشریف لائے تو تازہ تازہ پھل مریم علیہا السلام کے پاس دیکھتے، پوچھتے: **یا مریم! انی لک ھٰذا؟** اے مریم! یہ کہاں سے آئے؟ **قالت ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشآء بغیر حساب** یعنی مریم علیہا السلام فرماتیں کہ: یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کو چاہتے ہیں بغیر حساب رزق دیتے ہیں۔ (وعظ الصبر، بحوالہ امثالِ عبرت:۷۰)

انتخاب از:
"رسول اللہ ﷺ کی نظر میں دُنیا کی حقیقت"
مشکوٰۃ، کتاب الرقاق

آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی بے وقعتی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ، نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ، اَمَّا بَعۡدُ!

ترجمہ: حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے، کہ فرماتے تھے: خدا کی قسم! دُنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص دریا میں اُنگلی ڈالے اور پھر دیکھے کہ اُنگلی کیا چیز لے کر واپس ہوئی (یعنی پانی کا کتنا حصہ اُنگلی میں لگا)۔ (رواہ مسلم)

تشریح: یہ مثال محض سمجھانے کے لیے ہے کہ دُنیا آخرت کے مقابلے میں کس قدر بے وقعت ہے، ورنہ حقیقت کے اعتبار سے دُنیا کی اتنی بھی وقعت اور قیمت اور نسبت آخرت کے مقابلے میں نہیں ہے جتنا کہ اُنگلی کو دریا میں ڈال کر نکالنے کے بعد پانی کی تَری کو دریا سے ہے۔

پس اس مثال کا مقصود تفہیم کو آسان کرنا ہے، ورنہ دُنیا متناہی محدود کو آخرت غیر متناہی غیر محدود سے کیا نسبت؟ پس دُنیا کی نعمت پر نہ مغرور ہو اور نہ یہاں کی تکلیف کا شکوہ کرے، اور کہے جیسا کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیۡشَ اِلَّا عَیۡشُ الۡاٰخِرَۃِ

یہ کلمہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا؛ ایک دفعہ یوم الاحزاب میں، اور دوسری مرتبہ حجۃ الوداع پر، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی عیش مگر آخرت کا عیش۔ (ص:۱۳، ۱۴)

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

......★......

یوں تو دُنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دُنیا کی حقیقت کھل گئی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب از: پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنتیں

سوکر اُٹھنے کی سنتیں

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

❶ نیند سے اُٹھتے ہی دونوں ہاتھوں سے چہرہ اور آنکھوں کو مَلنا، تاکہ نیند کا خُمار دُور ہو جائے۔ (شمائل)

❷ صبح جب آنکھ کھلے تو یہ دُعا پڑھیں:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَحۡیَانَا بَعۡدَ مَاۤ اَمَاتَنَا وَ اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ

(بخاری، مسلم، ابو داؤد)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اُسی کی طرف اُٹھ کر جانا ہے۔

❸ جب سوکر اُٹھیں تو مسواک کرلیں۔ (مسند احمد، ابوداوٗد)

وُضو میں دوبارہ مسواک کی جائے۔ سوکر اُٹھتے ہی مسواک کرلینا علیحدہ سنت ہے۔
(بذل المجہود شرح ابوداؤد)

❹ پاجامہ یا شلوار پہنیں تو پہلے داہنے پاؤں میں پھر بائیں پاؤں میں، کُرتا یا قمیض پہنیں تو پہلے دائیں آستین میں ڈالیں پھر بائیں میں، اِسی طرح صدری، ایسے ہی جوتا پہنیں تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنیں، اور جب اُتاریں تو پہلے بائیں طرف کا اُتاریں پھر دائیں طرف کا اُتاریں۔ اور بدن کی پہنی ہوئی ہر چیز کے اُتارنے کا یہی طریقہ مسنون ہے۔ (بذل المجہود، بخاری، ترمذی)

❺ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ ہاتھوں کو اچھی طرح دھو ڈالیں۔ (ترمذی)

وَ اٰخِرُ دَعۡوَانَاۤ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

......★......

انتخاب از:
’’درسِ مثنوی مولانا روم‘‘

شیخ کی محبت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ارشاد فرمایا کہ بزرگوں نے کس طرح اپنے شیخ سے محبت اور اس کا اَدب کیا ہے اور اس پر ایک صاحبِ دل کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

نسبتِ خود بہ سگت کر دم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگِ کُوئے تو شُد بے ادبی

میں نے آپ کی گلی کے کُتّے کی طرف اپنی نسبت کر دی، اے میرے شیخ! میں شرمندہ ہوں کہ مجھ سے سخت بے اَدبی ہوگئی، کیونکہ میں اس قابل بھی نہیں تھا کہ آپ کی گلی کے کُتّے کی طرف اپنی نسبت کروں۔ اور پھر حضرت والا نے حضرت جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا ؎

آں سگے کُو گشت در کویش مقیم
خاکِ پایش بہ زِ شیرانِ عظیم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کُتّا میرے محبوب مُرشد کی گلی میں رہتا ہے اس کے پَیر کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے۔ اور اگلے شعر میں فرماتے ہیں ؎

آں سگے کُو باشد اندر کُوئے او
من بہ شیراں کے دہم یک مُوئے او

میرے شمس الدین تبریزی کی گلی میں جو کُتّا رہتا ہے میں شیروں کو اس کا ایک بال بھی نہیں دے سکتا۔ ؎

اے کہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خامش والسّلام

اے دنیا والو! بڑے بڑے شیر اللہ والوں کے کُتّوں کے غلام بن گئے، اب اس سے زیادہ میں

حمقاءِ زمانہ (موجودہ وقت میں جاہل اور ناسمجھ لوگوں) کو نہیں سمجھا سکتا، بلکہ عوام النّاس کو بھی نہیں سمجھا سکتا کیونکہ عقل متوسطہ کے اِدراک سے مافوق (درمیانی درجے کی سمجھ رکھنے والوں سے بالاتر) جلال الدین کی یہ گفتگو ہے۔ اللہ کی محبت کی اب اس سے زیادہ وضاحت میں نہیں کر سکتا ورنہ لوگ الزام لگائیں گے کہ جلال الدین پیر پرستی کر رہا ہے لہٰذا اب میں خاموش ہوتا ہوں اور ان لوگوں کو سلام بھی کرتا ہوں۔

شیخ کے ذریعہ سے کیونکہ اللہ ملتا ہے اس لیے مرشد کی ہر چیز سے مرید کو محبت ہوتی ہے، اس کے وطن سے اس کے گھر سے، اس کی گلی سے، اس کی گلی کے کُتّے سے، جس چیز کو بھی شیخ سے ادنیٰ نسبت ہوتی ہے مرید کو اس سے محبت ہو جاتی ہے، لیکن جو اس راہ سے نا آشنا ہیں ان کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں، ان کو کیا کہیں سوائے اس کے کہ ؎

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تُو نے پی ہی نہیں

اب اس پر ایک واقعہ سناتا ہوں۔ تھانہ بھون کا ایک بھنگی، جھاڑو لگانے والا ہندو مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس (قصبہ) ''نانوتہ'' پہنچا۔ مولانا نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ کہا کہ: میں آپ کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب کے قصبہ ''تھانہ بھون'' سے آیا ہوں۔ مولانا نے فوراً فرمایا کہ اس کے لیے چارپائی لاؤ، دری بچھاؤ اور جلدی سے اس کے لیے آلو پوری کا ناشتہ منگوایا۔ کسی طالب علم نے کہا کہ حضرت! یہ تو ہندو بھنگی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ: تیری نظر تو بھنگی پر ہے، اور میری نظر اس پر ہے کہ یہ میرے شیخ کے وطن سے آیا ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ میں کافر کا اِکرام کر رہا ہوں، حالانکہ میں نے کافر کا نہیں تھانہ بھون کا اِکرام کیا ہے، اپنے شیخ کا اِکرام کیا ہے۔ آہ! محبت سمجھنے کے لیے محبت بھرا دل ہونا چاہیے، عقل میں ''نور'' ہونا چاہیے، جن کی عقل میں ''فتور'' ہوتا ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔ شیخ کی محبت سیکھنی ہے تو مولانا رومی سے سیکھو۔ فرماتے ہیں ؎

من نجویم زیں سپس راہِ اثیر
پیر جویم پیر جویم پیر پیر

جب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کا راستہ بدون سایۂ رہبر نہیں ملتا تو میں تنہا اللہ کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا بلکہ اللہ کو پانے کے لیے میں پیر ڈھونڈوں گا، پیر تلاش کروں گا، پیر تلاش کروں گا۔ آہ! پیر کے نام ہی سے مست ہو گئے اور ''پیر پیر'' کی رَٹ لگادی۔

کسی نے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزی کا نام آتے ہی مولانا رومی مست ہو جاتے ہیں اور صفحے کے صفحے ان کی تعریف میں لکھ جاتے ہیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ اگر مولانا رومی پچاسوں برس عبادت کرتے تو ان کو وہ عظیم الشان قرب نصیب نہ ہوتا جو شمس الدین تبریزی کی چند دن کی صحبت سے نصیب ہو گیا۔ آدمی جس کی کھاتا ہے اس کی گاتا ہے، یعنی جس سے نعمت ملتی ہے اس پر فدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شمس الدین تبریزی کا نام آتے ہی مولانا بے خود ہو جاتے ہیں۔

ایک بار حضرت شمس الدین تبریزی ''قونیہ'' (ملک تُرکی کا ایک شہر) سے اچانک غائب ہو گئے، مولانا رومی تڑپ گئے اور اُونٹنی پر بیٹھ کر تلاش کرتے کرتے ملکِ ''شام'' کے قریب پہنچے اور کسی سے پوچھا کہ کیا تم نے کہیں میرے پیر حضرت شمس الدین تبریزی کو دیکھا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے ان کو شام میں دیکھا ہے۔ تو فرمایا کہ آہ! جس شام میں میرا شمس الدین رہتا ہے اس شام کی صبح کیسی ہوگی؟ پھر تبریز پہنچ کر اپنی اُونٹنی سے فرمایا۔

اُبْرُکِیْ یَا نَاقَتِیْ طَابَ الْاُمُوْر

اِنَّ تَبْرِیْزًا لَّنَا ذَاتَ الصُّدُوْرُ

اے میری اُونٹنی! ٹھہر جا، میرے تو سب کام بن گئے۔ دیکھو! یہ ہے محبتِ شیخ، کیا حُسنِ ظن تھا اپنے شیخ کے ساتھ اور کیسی شدید محبت تھی کہ اُونٹنی سے فرما رہے ہیں کہ ٹھہر جا، میرے پیر کا شہر آ گیا، میرے سب کام بن گئے۔ شہر تبریز میرے سینہ کے رازوں کا شہر ہے، اسرارِ محبت کا شہر ہے، محبت کے بھیدوں کا شہر ہے، اللہ کی محبت بھید کے شمس الدین تبریزی کے سینہ کے ذریعہ مجھے یہیں سے ملے ہیں۔ آہ! بتاؤ کیا یہ محبت نہیں ہے؟ پھر فرمایا۔

اِسۡرَحِیۡ یَا نَاقَتِیۡ حَوۡلَ الرِّیَاض

اِنَّ تَبۡرِیۡزًا لَّنَا نِعۡمَ الۡمَفَاض

اے میری اُونٹنی! شہر تبریز کے باغات کے گرد جلدی جلدی گھاس چر لے۔ شہر تبریز ہمارے لیے بڑے فیض کی جگہ ہے، میرا فیض انوار وتجلیاتِ الٰہیہ ہیں اور تیرا فیض یہاں کی اچھی اچھی مبارک گھاس ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔

ہر زماں از فوحِ روح انگیز جاں

از فرازِ عرش بر تبریزیاں

اے خدا! ہر لحہ، ہر وقت تبریز والوں پر عرشِ اعظم سے اپنی رحمت اور محبت و معرفت اور فیض کی زبردست بارش فرما۔ بتایئے! یہ کیا بات ہے کہ صرف شیخ ہی کے لیے نہیں پورے شہر تبریز کے لیے دعا ہو رہی ہے۔ کیا کہیں محبت قسمت والوں کو عطا ہوتی ہے اور محبت کو سمجھنے کے لیے سمجھ بھی قسمت والوں کو عطا ہوتی ہے۔

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں

یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

اچھا بس آج کا مضمون ختم ہو گیا، لیکن کیسی درد بھری داستان آج سنا دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہوں، سارے عالم کی خانقاہوں میں جاؤ، پھر سب کی باتیں سن کر میری بات کا توازن کرو تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اخترؔ کی زبان سے اس زمانہ میں کیا کام لے رہا ہے وَ لَا فَخۡرَ یَا رَبِّیۡ یہ سب میرے بزرگوں کی جوتیوں کا فیض ہے۔

دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبت نصیب فرمائے، اور سب سے پہلے یہ کہ اللہ ہم سب کو ہمارے شیخ کی محبت نصیب فرما، اور اپنی محبت غالب فرما، اور نفس و شیطان کی غلامی سے نکال کر اپنی سو فیصد فرماں برداری کی حیات نصیب فرما، اپنا دردِ محبت عطا فرما۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

......★......

تعلیمات مجدّد الملّت رحمہ اللہ

(پہلی قسط)

مرتب: شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

؎ کہیں مُدّت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مَے خانہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملّت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں، عصرِ حاضر کے اکابر علماء کی رائے میں آپ نہ صرف اس ''صدی کے مجدّد'' تھے بلکہ ''جامع المجدّدین'' تھے۔ حضرت مولانا اصغر میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''اُمت میں ایک ایسا جامع عالم پیدا نہیں ہوا''۔ یہ بات مجھ سے میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اَجل خلفاء میں سے تھے اور عمر میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے صرف سات سال چھوٹے تھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مولانا اصغر میاں صاحب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے تھے، مُرید نہیں تھے۔ مُرید کا قول تو محض عقیدت پر مبنی ہوسکتا ہے، لیکن معاصرین کا اعتراف معنیٰ رکھتا ہے۔ غرض اَکابر ہوں یا معاصر یا اَصاغر، سب ہی حضرت حکیم الامت کے بارے میں حُسنِ ظن رکھتے تھے، اور ان کے ارشادات اگر جمع کیے جائیں تو ایک کتاب بن جائے جس کا اس وقت موقع نہیں اور ضرورت بھی نہیں، کیونکہ ع

''آفتاب آمد دلیل آفتاب''

کیا خوب شعر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ؎

اس زمانے ہے محرومِ ازل کی یہ شناخت
یعنی جو معتقدِ حضرتِ مولانا نہیں

علمِ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرتِ والا کی راہنمائی اور تصنیف موجود نہ ہو؛ تفسیر،

حدیث، فقہ، تصوف وسلوک، قرأت وتجوید، منطق وفلسفہ وغیرہ تمام علوم وفنون میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک منفرد شان ہے۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

لیکن اس وقت احقر محمد اختؔر عفا اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی مجدّ دانہ اصلاحات وتعلیمات اور تزکیہ وتربیتِ نفوس کے متعلق ان چند ارشادات کو تحریر کر رہا ہے جن سے اُمتِ مسلمہ کے رُوحانی بیماروں نے شفا پائی ہے اور نسبتِ باطنی اور تعلق مع اللہ کی دولت سے مشرف ہوئے۔

امراضِ نفس اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا علاج

ایک عظیم کیدِ نفس[۱] کا علاج:

ایک طالبِ اصلاح نے حضرتِ اقدس حکیم الامت مجدد الملّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میں حُسن سے بے حد متاثر ہوتا ہوں، اور جب کسی حسین شکل کو دیکھتا ہوں تو نگاہ اُٹھانے کی قدرت نہیں پاتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں مجبور ہوں اور مجھے حسینوں سے نگاہ بچانے کی طاقت نہیں۔

جواب ارشاد فرمایا کہ: فلسفہ کا قاعدہ مسلّمہ ہے کہ قدرت ضدّین سے متعلق ہوتی ہے، پس اگر حسینوں کو دیکھنے کی آپ کو طاقت ہے تو لامحالہ آپ کو نہ دیکھنے کی بھی طاقت حاصل ہے۔ یعنی جس فعل کو آدمی کر سکتا ہے وہ اس فعل کے نہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے، یہ عقلی مسلّمات سے ہے۔

سبحان اللہ! کیا حکیمانہ جواب ہے! طالب کے نفس کا یہ کید تھا کہ خود کو مجبور تصور کر کے ہمیشہ بدنگاہی کرتا رہے، لیکن حکیم الامت نے کس عجیب عنوان سے متنبہ فرما دیا کہ تم مجبور نہیں ہو، آدمی جس فعل کے کرنے کی قدرت رکھتا ہے اُس کے نہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کا ہاتھ اگر مرضِ رَعشہ سے کانپ رہا ہے تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہ شخص ہاتھ کی حرکت پر قادر ہے، کیونکہ وہ رعشہ کی ضد یعنی سکون پر قدرت نہیں رکھتا اس لیے وہ رعشہ پر مجبور ہے۔ لیکن جو شخص اپنے ہاتھ کو ساکن رکھنے پر

---

[۱] نفس کے مکر وفریب اور حیلے

قادر ہے وہ اس کی حرکت پر بھی قادر ہے، کیونکہ قدرت ضدّین سے متعلق ہوتی ہے۔ پس جو شخص دیکھنے کی قدرت رکھتا ہے، نہ دیکھنے پر بھی قادر ہے اور نگاہ کو حسینوں سے بچانے کی طاقت رکھتا ہے۔

(رُوح کی بیماریاں اور اُن کا علاج، حصہ اوّل)

عشقِ مجازی کے متعلق ایک اہم انتباہ:

غیر محرم عورت یا مرد (لڑکے) سے کسی قسم کا علاقہ (تعلق) رکھنا خواہ اس کو دیکھنا یا اس سے دل خوش کرنے کے لیے ہم کلام ہونا ہونا تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا یا اس کی پسند کے مطابق اس کے خوش کرنے کو اپنی وضع یا کلام کو آراستہ و نرم کرنا، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس تعلق سے جو جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو جو مصائب پیش آتے ہیں احاطۂ تحریر سے خارج ہیں، اِن شآء اللّٰہ تعالیٰ کسی رسالہ میں ضمناً اس کو کسی قدر زیادہ لکھنے کا ارادہ ہے۔ (جزاء الاعمال)

حُسن پرستی:

فرمایا کہ: شہواتِ دُنیا موجبِ نقص نہیں بلکہ یہی موجبِ کمال ہیں۔ ٹاٹ کا پردہ اگر زانی نہ ہو تو کیا کمال ہے؟ اَندھا نظرِ بد نہ کرے تو کیا کمال ہے؟ بلکہ کمال تو یہ ہے کہ حُسن کا ادراک ہو اور اس کی طرف طبیعت کا بھی میلان ہو پھر بھی نامحرم کو نظر اُٹھا کر نہ دیکھے۔ کشش و میلان کا بالکل زائل ہو جانا تو عادتاً غیر ممکن ہے، البتہ تدابیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت (مقابلہ) میں تکلیف نہیں ہوتی، اور وہ تدبیر صرف اس میں منحصر ہے کہ عملاً اس کشش کے تقاضا کی مخالفت کی جائے، خواہ کتنی ہی تکلیف ہو اس کو برداشت کیا جائے۔ (بصائر حکیم الامت، ص:۴۲۷)

تکبر اور اس کا علاج:

فرمایا کہ: تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمالِ دُنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیارِ خود دُوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو میں دو جُز ہوں گے:

❶ اپنے کو بڑا سمجھنا۔ ❷ دوسرے کو حقیر سمجھنا۔

یہ تکبر کی حقیقت ہے جو حرام ہے اور معصیت ہے، اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ ''دوسرے کو حقیر سمجھے''، یہ اس لیے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں۔ جیسے ایک بیس برس کی عمر والا شخص دو برس کے بچہ کو سمجھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے، یا ایک ھدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے، یا ایک مال دار آدمی کسی مسکین کو یہ سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو یہ کِبر نہیں۔ اور ایسی چُھٹائی بڑائی کا اعتقاد اگر چہ کبر نہیں، لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد کبھی کبر تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لیے حفظِ ماتقدّم کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہیے جو کِبر کا علاج ہے، اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے جس کی ایسے وقت میں تجدید کر لی جائے جب اپنے کمال کی طرف اِلتفات ہو، وہ مراقبہ ہے۔

❶ اگر چہ میرے اندر یہ کمال ہے مگر یہ پیدا کیا ہوا نہیں، حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

❷ عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت اور رحمت ہے۔

❸ پھر عطاء کے بعد اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں، حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں۔

❹ اور اگر چہ اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے، مگر فی الحال ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اس طرح حاصل ہو جاوے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں۔

❺ اور اگر فی المآل کمال نہ بھی ہو تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی کمال ایسا ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور حق تعالیٰ کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اَوصاف کا مجموعہ میرے اَوصاف کے مجموعہ سے اَکمل ہو۔

❻ اور اگر کسی کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آوے تو یہ احتمال قائم کرے کہ شاید یہ شخص علمِ الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں، اور اگر میں بھی مقبول ہوں تو شاید یہ مجھ سے زیادہ

مقبول ہو، پس مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں۔

۷ اور اگر بالفرض سب اُمور میں یہ مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے، جیسا کہ مریض کا صحیح پر، ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر، تو مجھ کو چاہیے کہ اس پر شفقت وترحم کروں اور اس کی تکمیل میں کوشش کروں، پس اس کی تکمیل میں سعی شروع کردے، اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہوجاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔

۸ اور یہ بھی نہ ہوسکے تو اس کے ساتھ لطف واخلاق سے کبھی کبھی بات چیت کرلیا کرے اور اس کا مزاج پوچھ لیا کرے، اس سے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا ہوجاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر معدوم ہوجاتی ہے۔ (اقتباس از ملفوظ: ۴۴۳، کمالاتِ اشرفیہ، ص: ۹۴)

خالی الذہن ہوکر عمل کرنا مقبول ہے:

فرمایا کہ: اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی قبول ہوجاتا ہے، اور اخلاص بھی نہ ہو تو خالی الذہن ہوکر بھی عمل مقبول ہوجاتا ہے۔ خالی الذہن کے معنٰی یہ ہیں کہ ’’نہ دِکھاوے کی نیت ہو، نہ خدا کے لیے نیت ہو‘‘۔

ف: حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ چھوٹا سا ملفوظ حضرت کی شانِ مجدّدانہ کا حامل ہے۔

بظاہر تو ہیں چھوٹی چھوٹی سی باتیں
جہاں سوز لیکن یہ چنگاریاں ہیں

عام لوگ تو کیا خواص بھی یہی سمجھتے کہ جس عمل میں نیت اخلاص کی نہ ہو اگرچہ رِیاء بھی نہ ہو وہ قبول نہ ہوگا، لیکن یہ دقتِ نظر اور باریک بینی حضرت حکیم الامت مجدد الملّت ہی کا حصہ ہے کہ خالی ذہن کے ساتھ بھی عمل مقبول ہے، کیونکہ جو عمل مخلوق کے لیے نہیں وہ خالق ہی کے لیے شمار ہوگا اگرچہ نیت رضاءِ حق کی نہ ہو۔

اصلاحِ سیاست:

فرمایا کہ: اگر قدرت ہو تو ’’قتال‘‘، اور قدرت نہیں تو ’’صبر شرعی‘‘ دستور العمل ہے، اور

درمیانی صورتیں مثلاً جتھوں کا جیل جانا، پٹنا، بھوک ہڑتال وغیرہ سب نصوص کے مقابلہ میں اِجتہاد ہے، اجتہاد کا حق ہم کو نہیں اور نصوص کے خلاف کرنا جرمِ عظیم ہے۔ یہ سب جیل جانا وغیرہ خودکُشی کے مترادف ہے، اور اگر خودکُشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی تو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ کوئی فائدہ بھی نہ پہنچے۔ تو اس کا درجہ ظاہر ہے یعنی اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ خودکُشی کرنے سے کفار پر اَثر ہوگا تو خودکُشی کرنا کیا جائز ہو جائے گا؟ اگر کوئی نفع بھی خودکُشی پر مرتب ہو تو یہ خود ہی اتنا زبردست نقصان ہے کہ جس کا پھر کوئی بدل کبھی نہیں، ہر منفعت کا اعتبار نہیں، اس کی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے، اگر تم کنویں میں گر جاؤ، تو اس کی جان بچانے کی غرض سے کیا کنوئیں میں گرنا جائز ہوگا؟

فرمایا کہ: جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہیں ہوئی اور خیر القرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص ان کے خلاف نہ ہوں تو وہ مسکوت عنہا ہو سکتی ہیں، مظالم حکام تو ہمیشہ ہی پیش آتے رہے لیکن پھر بھی نصوص میں ''جہاد'' یا ''صبر'' ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے یہ جدید مخترعہ تدابیر (جیل جانا، بھوک ہڑتال وغیرہ) مسکوت عنہا نہ ہوں گی بلکہ منہی عنہا ہوں گی کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے ان کو ترک کیا، تو اِجماع ہوا اس کے ترک پر، اس لیے ممنوع ہیں۔

اور ان مخترع طریقوں کے متعلق فرمایا کہ: ایسے وقت میں شریعت میں دو ہی صورتیں ہیں: قوت کے وقت مقابلہ، اور عجز کے وقت صبر و دُعا، خدا معلوم یہ تیسری صورت بخوشی گرفتار ہو جانے کی کہاں سے نکالی، بس یورپ ہی سے سبق لیا ہے۔ (کمالاتِ اشرفیہ ص: ۹۷، ۱۱۷، ۱۲۲)

تصوف کے متعلق علماء خشک اور جاہل صوفیاء کی غلط فہمی کا جواب:

''تصوف'' کے اُصولِ صحیحہ قرآن وحدیث میں سب موجود ہیں، اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن وحدیث میں نہیں ہے، بالکل غلط ہے۔ یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں، مگر دونوں غلط سمجھے۔

خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واہیات ہے، بس نماز، روزہ، قرآن و

حدیث سے ثابت ہے اِسی کو کرنا چاہیے، یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے۔ تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوف سے خالی ہیں۔ اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علمِ باطن ہے۔ ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں۔

غرض دونوں فرقے قرآن وحدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن وحدیث کو۔

اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو! اس کے متعلق میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں لکھی ہیں؛ ایک تو "حقیقت الطریقت" جس میں مسائلِ تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے، ایک رسالہ مستقل (مسائل السلوک) جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآنِ مجید سے ثابت ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن وحدیث تصوف سے لبریز ہیں، اور واقعی وہ تصوف نہیں جو قرآن وحدیث میں نہ ہو۔ غرض جتنے صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ (وعظ طریق القلندر، ص:۲۲، بحوالہ بصائر حکیم الامت، ص:۱۰۰)

میں نے تو قرآن وحدیث سے تصوف کے تقریباً دو ہزار مسئلے صاف صاف دلالت سے ثابت کر دیے ہیں، اور اگر غور کرتا تو اتنے ہی اور ثابت کر سکتا تھا۔ (اشرف السوانح)

مسائلِ تصوف قرآنِ پاک کی روشنی میں

احقر نمونہ کے طور پر "بیان القرآن" سے چند "مسائل السلوک" نقل کرتا ہے جس میں حضرت حکیم الامت نے مسائلِ تصوف کو قرآنِ مجید سے ثابت فرمایا ہے۔

ضرورتِ شیخ کا ثبوت قرآن سے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

(سورۃ ابراھیم، پ:۱۳)

(ترجمہ) "اے موسیٰ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ"۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مقام پر حق تعالیٰ شانہٗ نے تاریکیوں سے نکالنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی (اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ پ ۳) اوراس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف فرمائی۔

وَ اِسْنَادُ الْاِخْرَاجِ اِلَی النَّبِیِّ مَعَ کَوْنِ الْمُخْرِجِ الْحَقِیْقِیُّ ھُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَقْوٰی دَلِیْل عَلٰی اَنَّ لِلشَّیْخِ مَدْخَلًا عَظِیْمًا فِیْ تَکْمِیْلِ الْمُرِیْدِ

(مسائل السلوک، سورۃ ابراھیم، پ: ۱۳، بیان القرآن)

(ترجمہ:) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’باوجود اس کے کہ مخرج حقیقی اللہ تعالیٰ ہے پھر اخراج کی نسبت نبی کی طرف کرنا قوی دلیل ہے اس بات کی تکمیلِ مُرید شیخ کو عظیم دخل ہے‘‘۔

شیخ کا بعض مُرید سے زیادہ محبت کرنا:

(۱) اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْہِ ...... الخ

(۲) اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْہُ اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا

اس میں دلالت ہے کہ شیخ کو جائز ہے کہ اپنے مریدین میں سے کسی مرید سے دوسروں سے زیادہ محبت کرے، جبکہ اس میں اَوروں سے زیادہ رشد کے آثار پائے جاویں۔

(مسائل السلوک بیان القرآن، پ: ۱۳ سورۂ یوسف)

مُرید اپنے مُرشد کے علاوہ کسی سے اپنا حال بیان نہ کرے:

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْ یَاکَ عَلٰٓی اِخْوَتِکَ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بیٹے یوسف! اپنے بھائیوں کے سامنے اپنے خواب کو مت بیان کرنا۔

❶ اس میں دلالت ہے کہ مرید کو جو حالات پیش آویں اس کو اپنے شیخ سے بیان کرے، جیسا کہ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْہِ میں اشارہ ہے۔

۲ دوسری میں دلالت ہے کہ اپنا حال غیر شیخ سے نہ کہے کہ اس میں ضرر کا احتمال ہے۔
(مسائل السلوک، پ:۱۳ سورۃ یوسف، بیان القرآن)

داعی الی اللہ اور شیخ کو عارف ہونا چاہیے:

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ

(پ:۱۳، سورۃ یوسف)

بحوالہ رُوح المعانی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فی الروح اشارۃً اِلٰی انہٗ ینبغی للداعی الی اللّٰہ تعالٰی ان یکون
عارفًا بطریق الایصال الیہ سبحانہٗ عالمًا بما یجب لہٗ تعالٰی

(ترجمہ:) ''داعی الی اللہ کو طریقِ ایصال کا ماہر ہونا چاہیے اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف ہونا چاہیے''۔ (مسائل السلوک بیان القرآن، پ:۱۳)

مشائخ کا بعض مریدین کو خلافت عطا فرمانا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا

(پ:۵، سورۃ النساء)

(ترجمہ:) ''اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہنچادو''۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ مسائل السلوک میں ارقام فرماتے ہیں:

ان اخذ العموم فی الامانات دلت الأیۃ علٰی امر الشیوخ بایصال
المعارف و اعطاء الخلافۃ من کان اھلًا لھا

یعنی ''اگر امانت کو عام لیا جاوے تو آیت میں مشائخ کو بھی اَمر ہوگا کہ معارف اور برکات کو ان کے اَہل تک پہنچادیں اور جو اُن میں خلافتِ ارشادیہ کا اَہل ہو اُن کو اجازت دیں''۔

عدم مناسبت کے سبب بعض مریدین کو حلقۂ اِرادت سے نکال دینا:

هٰذَا فِرَاقُ بَيۡنِىۡ وَ بَيۡنِكَ (پ:۱۶، سورۃ الکھف)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هو اصل لامر المريد بالفراق اذا لم يتوقع مناسبة و وفاق و ظهر كثير خلاف و شقاق

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ''جس مرید سے مناسبت نہ ہو اور آیندہ بھی موافقت کی توقع نہ ہو تو اس کو اَلگ کر دینا چاہیے کہ بدون مناسبت دونوں کے اوقات ضائع ہوں گے''۔

(مسائل السلوک بیان القرآن)

مشائخ کے لیے مریدین پر عفو و کرم کی تعلیم:

وَ لَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ ...... الخ

(پ:۱۸، سورۃ النّور)

❶ اس آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کو ''اولوالفضل'' سے خطاب فرمایا گیا۔

❷ **و فی الروح اشارة الٰی انهٗ ینبغی للشیوخ و الاکابر ان لا یهجروا اصحاب العثرات و اهل الزلات من المریدین و ان لا یقطعوا احسانهم و فیوضاتهم عنهم**

''رُوح المعانی میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ مشائخ اور اکابر کو اپنے مریدین سے ان کی لغزشوں کے سبب قطع تعلق نہ کرنا چاہیے اور اِسی طرح اپنے احسانات اور فیوضات کو ان پر بند نہ کرنا چاہیے''۔(مسائل السلوک از بیان القرآن، پ:۱۸)

اہل اللہ کی دینی شدّت وحمیّت سُوءِ اخلاق نہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ

(پ: ۹، سورۃ اعراف)

ترجمہ مع تفسیر: اور دینی حمیت کے جوش میں جلدی سے توریت کی تختیاں ایک طرف رکھیں اور جلدی میں ایسے زور سے رکھی گئیں کہ اگر غور نہ کرے تو شبہ ہو کہ جیسے کسی نے پٹک دی ہوں اور ہاتھ خالی کر کے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کا سَر یعنی بال پکڑ کر اُن کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے کہ تم نے کیوں پورا انتظام نہ کیا اور چونکہ غلبہٴ غضب میں ایک گونہ بے اختیاری ہوگئی تھی اور غضب بھی دین کے لیے تھا اس لیے اس بے اختیاری کو معتبر قرار دیا جائے گا اور اس اجتہادی لغزش پر اعتراض نہ کیا جاوے گا۔

مسائل السلوک: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت سے نادان لوگ بعض اہل اللہ کی دینی شدّت، غضب اور فرطِ حمیت کو ''سُوءِ اخلاق'' سے تعبیر کرتے ہیں، حاشا ھم عن ذٰلک اور وہ پاک ہیں اس الزام سے، اور اسی واقعہ سے شیخ کے غضب کا جواز مُرید پر ثابت ہوتا ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کاملین سے اجتہادی خطا کا صدور منافیِ کمال نہیں، اور اُن جاہل مریدوں کی بداِعتقادی کا بھی رَدّ ہوا جو اپنے پیروں کو خطاؤں سے معصوم سمجھتے ہیں۔

(بیان القرآن، پ:۹،ص:۴۲، مطبوعہ دہلی)

اہل اللہ کی مخالفت کرنا مخالفین کے فسادِ استعداد کی دلیل ہے:

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ

(سورۃ یٰسٓ)

کافروں نے کہا (رسولوں سے) کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ ان رسولوں نے فرمایا:

قَالُوْا طَآئِرُکُمْ مَّعَکُمْ

تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔

اَئِنْ ذُکِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ

کیا تم اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جاوے بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ رُوح المعانی تحریر فرماتے ہیں کہ جب انھوں

نے رسولوں کی تکذیب کی تو اِن نالائقوں پر قحط مسلط ہوا یعنی بارش روک دی گئی، یا سب کے سب کوڑھی ہو گئے۔ و ھٰذا عادۃ اللّٰہ اذا انکر النّاس اولیائہٖ اور یہی عادت اللہ ہے کہ جب اولیاء اللہ کے ساتھ گستاخی کی جاتی ہے تو اسی طرح کا وبال آتا ہے اور قَالُوْا طَآئِرُکُمْ مَّعَکُمْ میں اشارہ ہے کہ ان کی استعداد ہی فاسد تھی۔

مصلحین کو اقوالِ مخالفین کی پرواہ نہ کرنا چاہیے:

فَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُهُمْ ...... الخ

میں اشارہ ہے کہ مخالفین کے اقوال کی پرواہ نہ کرنی چاہیے، حق تعالیٰ شانہٗ خود آگاہ ہیں مناسب انتقام لے لیں گے۔ (مسائل السلوک بیان القرآن، پ:۲۳)

مسائل السلوک کا اِستنباط احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

علم غیر نافع کا جہل ہونا:

اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا

(الحدیث)

(ترجمہ:) "بعض علم جہل ہے"۔

ف: اس میں صوفیاء کی اس عادت کی اصل ہے کہ وہ ایسے علم کو جہل کہتے ہیں جو موصل الی اللہ نہ ہو، کما قال الشیرازی ؎

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

(التشرف، صفحہ:۳۷)

مجالسِ صوفیاء کی فضیلت:

اذا مررتم بریاض الجنّة فارتعوا (الحدیث الترمذی) و تمامه فی الاحیاء قیل و ما ریاض الجنّة قال مجالس الذکر.

(ترجمہ حدیث:) ’’جب تم جنت کے باغوں پر گزرا کرو تو (ان میں) چرا کرو (یعنی ان سے غذائے رُوحانی حاصل کیا کرو)۔ (ترمذی) اور پوری روایت احیاء میں اس طرح ہے کہ ’’عرض کیا گیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد ہوا: ذکر کی مجلسیں‘‘۔

ف: اس میں کھلی فضیلت صوفیاء کی مجالس کی ہے، کیونکہ وہ مجالس خالص ذکر ہی ہیں، خواہ علماً، خواہ عملاً (یعنی وہاں اِفادہ علوم کا ہوتا ہے یا تسبیح وتہلیل کا شُغل ہوتا ہے)۔ (التشرف، ص:۳۸)

تائیدِ عادتِ صوفیاء:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَةً

(بخاری)

(ترجمہ:) ’’بعض اشعار حکمت ہیں‘‘۔

ف: اس میں تائید ہے اس عادت کی جس کو اکثر صوفیاء نے اختیار کیا ہے کہ علوم وحقائق (معارف) کو اشعار میں ضبط کرتے ہیں۔

ولولہ وعشق:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے باتیں کرتے اور ہم آپ سے باتیں کرتے، مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ کی یہ حالت ہوجاتی گویا نہ آپ ہم کو پہچانتے ہوں اور نہ ہم آپ کو۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تھے تو یہ حالت ہوجاتی کہ گویا آپ کسی کو بھی نہیں پہچانتے۔

ف: یہ وہی از خود رفتگی اور عشق ہے جس کے اکثر اہلِ ظاہر منکر ہیں اور صوفیاء اس کے قائل ہیں۔ (التشرف، ص:۵۱)

حقیقتِ چلّہ:

ابونعیم نے ’’حلیہ‘‘ میں ابوایوب کی حدیث سے یہ روایت کی ہے: ’’جو شخص چالیس دن اللہ

تعالیٰ کے لیے اخلاص اختیار کرے، حکمت (وعلم) کے چشمے اس کے قلب سے اس کی زبان پر ظاہر ہونے لگتے ہیں‘‘۔

ف: اس حدیث میں اصل ہے ’’چِلّہ‘‘ کی (کیونکہ اس کا حاصل بھی چالیس روز تک اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا ہے) اور برکات ہیں چلّہ کے اور اثبات ہے علمِ لدُنّی کا کیونکہ جس علم کا اس میں ذکر ہے بلا واسطہ کسب وہ ثمرہ عمل واخلاص کا ہے۔(التشرف،ص:۷۵)

’’اِلہام‘‘ کا ثبوت:

حدیث: ’’میری اُمت میں کچھ لوگ محدث ومکلّم بھی ہوں گے (یعنی جن کو اِلہام صحیح ہوتا ہو)‘‘۔روایت کیا اس کو بخاری نے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث: ’’پہلی اُمتوں میں محدث لوگ ہوا کرتے تھے، پس اگر میری اُمت میں کوئی ایسا ہوگا تو عمر ضرور ہیں‘‘۔روایت کیا اس کو مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے۔

ف: اس حدیث میں اِلہام کے صحیح ہونے کا مذکور ہے۔(التشرف،ص:۹۱)

شیخ سے محبت میں نفع عظیم ہے:

حدیث: ایک شخص کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے اور اس کو ان کے درجہ تک رسائی نہیں ہوئی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’وہ شخص ان ہی کے ساتھ ہوگا جن سے محبت رکھتا ہے‘‘۔روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی محبت سے نفع عظیم ہوتا ہے، اسی لیے اہلِ طریق کو اس کا بہت اہتمام ہے۔(التشرف،ص:۹۸)

اصلاحِ باطن اصل چیز ہے:

حدیث: عزیزی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں کو (جن میں اعمالِ ظاہرہ محضہ بھی آ

گئے کہ وہ بھی خاص ہیئات ہیں صورت کی) اور اَموال کو نہیں دیکھتے ، لیکن تمھارے قلوب اور اعمال کو دیکھتے ہیں''۔ روایت کیا اس کو مسلم اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

ف: حدیث صریح ہے اصلاحِ باطن کے اصل ہونے میں (اور اعمال کا ذکر اس کے منافی نہ سمجھا جائے)، کیونکہ اعمال بھی بدون اصلاحِ باطن معتد بہا نہیں ہیں (چنانچہ عقیدہ صحیحہ واخلاص اعمال میں شرط ہے اور یہ دونوں باطن ہیں) اور مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر گویا اس حدیث کا ترجمہ ہے ۔

ما بروں را ننگریم وقال را ما دروں را بنگریم وحال را

شیخ وطالب کے درمیان مناسبت کی شرط:

حدیث: ''اَرواح (اپنے عالم میں) جمع کی ہوئی جماعتیں ہیں، سو جن (اَرواح) میں (وہاں) تعارف ہوگیا (یہاں) ان میں باہم اُلفت ہوگی اور جن میں (وہاں) اَجنبیت رہی (یہاں) ان میں باہم اختلاف رہے گا''۔ روایت کیا اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے اور بخاری نے معلقاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے۔

ف: اس حدیث میں اصل ہے اس مسئلہ کی جو صوفیاء کے نزدیک مقرر ہے کہ شیخ اور طالب میں مناسبت شرط ہے، کیونکہ اہم مقصود اس واقعہ کی خبر دینے سے یہی ہے۔ (التشرف، ص:۱۳۲)

ہر وقت اصلاح کا اہتمام:

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ ''ہر بندہ اِسی حالت پر مبعوث ہوگا جس پر مَرا ہے''۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ف: چونکہ موت کا کوئی وقت نہیں اور بعث ہوگا موت کی حالت میں، اِسی لیے تم صوفیاء کو دیکھتے ہو کہ وہ اپنی اصلاحِ ظاہر وباطن کا ہر وقت شدّت سے اہتمام کرتے ہیں۔ (التشرف، ص:۱۳۶)

قلب مدارِ اصلاح ہے:

حدیث: ''بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے وہ جب سنور جاتا ہے تو تمام جسد سنور جاتا ہے

(مراد قلب ہے کہ اس کی اصلاح سے تمام جسد کے اعمال درُست ہو جاتے ہیں)''۔(بخاری ومسلم)

ف: یہ حدیث صریح ہے اس میں کہ اصلاحِ قلب اصل مدار ہے تمام اصلاح کا، اور یہ مسئلہ گویا فنِ تصوف کی رُوح ہے۔(التشرف،ص:۱۳۷)

حقِ مرشد کی عظمت:

حدیث:''جو شخص آدمیوں کے احسان کا حق اَدا نہیں کرتا اس نے حق تعالیٰ کے احسان کا حق اَدا نہیں کیا''۔(ترمذی)

ف: اور چونکہ شکر باندازۂ نعمت ہوتا ہے اور کوئی نعمت ذرائع قرب الی اللہ کی رہنمائی سے بڑھ کر نہیں، تو جو شخص ایسی راہنمائی کرے اس کا احسان ماننا ہر منعم سے اعظم ہوگا اور ایسا رہنما ''پیر'' ہے تو پیر کا حق بہت بڑا ہوا، اور مرشدوں کے حقوق کا پہچاننا مریدوں کے لیے مثل اَمر طبعی کے ہو گیا ہے اور شریعت کا طبیعت بن جانا یہ انتہائی کمال ہے، اس سے اس جماعت صوفیاء کی فضیلت سمجھ لو۔

(التشرف،ص:۲۵۲)

اہل اللہ کو وہبی علوم عطا ہونا:

حدیث:''جو شخص زُہد فی الدنیا اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بدون اس کے کہ وہ کسی سے علم سیکھے علم عطا فرماتا ہے اور بدون اس کے کہ کوئی اس کو ہدایت کرے اس کو ہدایت فرماتا ہے اور اس کو صاحبِ بصیرت بنا دیتا ہے اور اس سے کور باطنی دُور فرما دیتا ہے''۔

ف: مراد اس علم وہدایت سے مراد احکامِ منقولہ نہیں وہ ہر حال میں محتاجِ نقل ہیں، بلکہ مراد اسرار و معارف ہیں جو علومِ مکاشفہ سے ہیں اور دقائق سلوک میں ذوقیات ہیں جو علومِ معاملہ میں سے ہیں، ایسے ہی علوم کے عطا ہونے کا مولانا فرماتے ہیں ۔

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے سعید و اوستاء

اور اہل اللہ میں اس شان کا ہونا کھلا مشاہدہ ہے جس سے اس جماعت کی فضیلت ثابت ہوتی

ہے۔(التشرف،ص:۴۳۷)

اللہ تعالیٰ کے ہم نشین:

حدیث: ''اللہ تعالیٰ کے ہم نشین (یعنی مقربین) کل کے روز (یعنی قیامت کے دن) وہ لوگ ہیں جو اہلِ ورع ہیں (یعنی حرام چیزوں سے بچتے ہیں) اور جو دُنیا سے بے رَغبت ہیں (یعنی دُنیا کی چیزوں سے رَغبت نہیں رکھتے گو ان میں سے مُباحات کا استعمال کرتے ہوں مگر ان سے ایسی رغبت نہیں رکھتے جو اللہ تعالیٰ سے یا اس کے احکام سے غافل کردے)''۔

ف: ظاہر ہے کہ یہ شان خاص جماعت صوفیاء کی ہے تو اس سے اس جماعت کی فضیلتِ عظیمہ ثابت ہوئی۔(التشرف،ص:۳۸۵)

احقر مؤلف محمد اختؔر عرض کرتا ہے کہ مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر اسی حدیث کی روایت بالمعنیٰ معلوم ہوتا ہے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
گو نشیند با حضور اولیاء

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ جب جلساءِ حق ہیں اور جلیس کا جلیس جلیس ہوتا ہے تو اُن کے جلیس کا جلیسِ حق ہونا لازم ہے۔

مشائخ کو بھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہیے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رُوایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیز گرمی کے دن بقیع کی طرف چلے اور لوگ آپ کے پیچھے چلتے تھے، جب آپ نے جوتیوں کی آواز سنی تو آپ کے قلب پر یہ اَمر گراں گزرا، پس آپ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تا کہ کوئی اَثر بڑائی کا آپ کے قلب میں نہ واقع ہوجائے۔(روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

ف: میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث میں غور کرنے سے ناقص تو ناقص کاملین کی بھی آنکھیں کھلتی ہیں اور ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو زعمِ کمال کے بعد اپنی نگرانی حال سے بے فکر ہو

جاتے ہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اکابر کو فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہیے، مثل مُبتدی کے اہتمام اصلاحِ اعمال اور اندیشۂ تغیر حال میں لگا رہنا چاہیے، اور یہی خیریت ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ و نعم ما قیل ؎

غافل مرو کہ مرکب مردانِ زہد را
در سنگلاخ بادیہ پے ہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ راندان بادہ نوش
ناگہ بیک خروش بہ منزل رسیدہ اند

(التکشف بحوالہ بصائر حکیم الامت، ص:۵۴۳)

اہل اللہ کو خوش کرنے کے لیے کوئی طاعت یا خدمت کرنا رِیا نہیں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر تم مجھ کو گزشتہ شب میں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے، میں تمھارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا، واقعی تم کو داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا حصہ عطا ہوا ہے''۔ روایت کیا اس کو بخاری ومسلم وترمذی نے اور زرقانی کی روایت میں مسلم سے اتنا اور زیادہ ہے کہ ''ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! واللہ مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اس کو خوب ہی بنا تا سنوارتا''۔

ف: بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لیے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جائے کہ مخلّٰی بالطبع ہو کر اس طرح نہ کرتا تو ظاہر میں اس میں شبہ رِیا کا معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ تطییب قلب اہل اللہ بلکہ قلب مسلم خود عبادت ہے۔ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے واسطے اچھی طرح کرتا ہے اس لیے ہرگز یہ رِیا نہیں ہے، حدیث میں اس کے استحسان پر صاف دلالت ہے۔ اس نادان کو مدتوں یہ شبہ رہا کہ اکثر کسی کی فرمائش سے جو قرآن جو عمدہ طرح پڑھنے کی عادت ہے شاید اچھا نہ ہو، الحمدللہ کہ اس حدیث کا سرِّ دقیق جس کی ابھی تقریر کی گئی ہے قلب میں فائز ہوا اور یہ شبہ بالکل دفع ہو گیا۔ پھر اس حدیث پر نظر پڑنے سے اس کی اور تائید ہو گئی اور حدیث میں دوبارہ غور کرنے سے

مقبولانِ الٰہی کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ ان کی طلب رضاء مثل رضائے حق کے ہے، جبکہ دونوں میں تعارض نہ ہو اور راز اس میں یہی ہے کہ ان کی رضاء کو رضائے حق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، پس مطلوب بالذات طلب رضائے حق ہی ہے۔ (التکشف بحوالہ بصائر حکیم الامت، ص:۵۴۲)

[ارشاداتِ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ]

حاصلِ تصوف:

فرمایا کہ: وہ ذارسی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جس طاعت میں سُستی محسوس ہو سُستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے، جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں، کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے، اور یہی اس کی محافظ ہے، اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے۔ (وعظ التقویٰ، بحوالہ بصائر حکیم الامت، ص:۱۰۶)

دورِ حاضر میں ''صحبتِ اہل اللہ'' فرضِ عین ہے:

حضرت حکیم الامت مجدد الملّت نے فرمایا کہ: میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرضِ عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کے فرضِ عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے، اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے، اس تعلق کے بعد بفضلہٖ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔

(بصائر حکیم الامت، ص:۱۴۶)

اصلاحِ نفس کے لیے اصلی چیز ''صحبتِ اہل اللہ'' ہے:

فرمایا کہ: اصلی چیز اصلاح کے لیے صحبت ہے، علم چاہے ہو یا نہ ہو، بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بے کار ہے۔ ''صاحبِ صحبت بلا علم'' کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے ''صاحبِ علم بلا صحبت'' سے۔ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سب کے سب عالم نہ تھے، صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا۔ اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت کا التزام رکھا، اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص:۱۷۲)

علم کی بہ نسبت عمل زیادہ قابلِ اہتمام ہے:

فرمایا کہ: صوفیاء علم کے اہتمام سے زیادہ عمل کا اہتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اے اُمت! میں تمھارے متعلق ان چیزوں سے زیادہ اندیشہ نہیں کرتا جس کا تم کو علم نہیں، کیونکہ علم کی کمی میں جو کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بے باکی کی دلیل نہیں اس لیے جرم خفیف ہے، لیکن یہ دیکھو کہ جن چیزوں کا تم کو علم ہے اُن میں تم کیسا عمل کرتے ہو۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص:۹۳)

اہل اللہ کی صحبت کے بغیر نورِ فہم حاصل نہیں ہوتا:

فرمایا کہ: نورِ فہم کسی باقی باللہ، فانی فی اللہ کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس کے بغیر علم ایسا ہوتا ہے کہ جیسے طوطے کو بعض لوگ قرآن کی سورتیں یا فارسی جملے یاد کرا دیتے ہیں۔

(کمالاتِ اشرفیہ، ص:۱۰۸)

مشائخ بھی اپنی اصلاح سے بے فکر نہ رہیں:

فرمایا کہ: جو شیخ صاحبِ نظرِ صحیح ہو تو وہ اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کر لے، اپنے احوالِ خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے، اپنی رائے سے عمل نہ کرے، کیونکہ اپنے خیالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے اور دوسروں کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے۔ اور جس شخص کو دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا۔ جب میں مشائخ کے لیے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنا دیں اور اپنے معاملاتِ خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کریں، تو غیر مشائخ کے لیے تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے، ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہیے ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

(بصائرِ حکیم الامت، ص:۱۴۴)

گناہ سے دل بے چین رہتا ہے:

فرمایا کہ: گناہوں کی آگ خدائی آگ ہے جس کی خاصیت یہ ہے:

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ

اس کا اصل محل قلب ہے، اور دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ گنہگار کا دل بے چین ہوتا ہے، اس کو راحت وچین نصیب نہیں ہوتا، گناہ سے دل ضعیف اور کمزور ہوجاتا ہے جس کا تجربہ نزولِ حوادث (یعنی مصیبت) کے وقت ہوتا ہے کہ متقی اس وقت مستقل مزاج رہتا ہے اور گنہگار کے حواس باختہ ہوجاتے ہیں۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص:۱۷)

گناہوں کو عظیم سمجھ کر توبہ نہ کرنا ''کبر'' ہے:

فرمایا کہ: بندہ اگر اس وجہ سے توبہ نہ کرے کہ میرے گناہ اس قدر ہیں یا اس درجہ کے ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، یہ بھی حماقت اور شیطان کا جال ہے، کیونکہ اگرچہ یہ صورۃً شرمندگی ہے لیکن حقیقت میں یہ ''کبر'' ہے کہ اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ گویا اس نے حق تعالیٰ کا کچھ ایسا نقصان کردیا ہے کہ اب اس کو وہ معاف نہیں کرسکتے۔ یاد رکھو! یہ برتاؤ بالکل مساوات کا سا ہے، حالانکہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفاتِ کاملہ کے سامنے تمھاری اور تمھارے افعال کی ہستی ہی کیا ہے؟ سارا عالم بھی نافرمان ہو جاوے تو ان کا ذرّہ برابر بھی کچھ نقصان نہیں ہوسکتا، نہ ان کو عفو وکرم سے مانع ہوسکتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک مچھر بیل کے سینگ پر جا بیٹھا، جب وہاں سے اُڑنے لگا تو بیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجیے گا آپ کو میرے بیٹھنے سے بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ بیل نے کہا: ارے بھائی! مجھ کو تو خبر بھی نہیں ہوئی کہ تُو کب بیٹھا، کب اُڑا۔

اور فرمایا کہ: بندوں کو رحمتِ حق کا مشاہدہ ہونے لگے تو گناہوں کو بڑا سمجھنے پر شرمندگی ہوگی، نا اُمیدی تو بھلا کیا ہوتی۔

اور فرمایا کہ: اگر ساری زمین گناہوں سے بھر جاوے تو ''توبہ'' سب کو مٹا دیتی ہے۔ دیکھیے! بارُود ذرا سی ہوتی ہے، مگر بڑے بڑے پہاڑوں کو اُڑا دیتی ہے۔

گناہوں سے ڈر کر توبہ کرنا ''علامتِ ایمان'' ہے:

فرمایا کہ: مومن اپنے گناہوں سے ڈرتا ہے گو ادنیٰ ہی گناہ ہو، بخلاف فاجر کے کہ وہ گناہ کو مثل مکھی کے سمجھتا ہے کہ آئی اور اُڑا دیا۔ تو معلوم ہوا کہ گناہ کو سخت سمجھ کر توبہ کرنا ''علامت ایمان'' کی ہے اور اس کو ہلکا سمجھنا ''علامت بے ایمانی'' کی ہے۔ اور اُوپر جو آیا ہے کہ گناہ کو بڑا نہ سمجھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا بڑا نہ سمجھے کہ توبہ سے مانع ہو جاوے، اور یہاں بڑا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا چھوٹا نہ سمجھے کہ توبہ کی ضرورت نہ سمجھے۔ غرض اصل چیز توبہ ہے۔ جو اِعتقاد توبہ سے مانع ہو وہ مذموم ہے، خواہ بڑا ہونے کا اعتقاد ہو خواہ چھوٹا ہونے کا۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص: ۵۷، ۵۸) (جاری)

بقیہ: ''روزہ اور رمضان'' عقل کی نظر میں

جب رَگ و ریشہ کی قوتوں میں فتور آ جائے اور شیطانی تحریکات کا صوم کے سبب ظہور نہ ہو تو بعض کے قول پر یہی شیطان کا جکڑا جانا ہے اور ظاہر حدیث سے ظاہری جکڑا جانا معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں جب کسی معزز کی آمد ہوتی ہے، مفسدوں کو خاص طور پر نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ پس رمضان میں خاص برکات وتجلیات کی آمد سے بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے، اور پھر بھی جو گناہ ہوتے ہیں وہ ''نفس'' کے سبب ہوتے ہیں نہ کہ شیاطین کے سبب۔ (احکامِ اسلام عقل کی نظر میں: ۱۰۳۔۱۱۱، حصہ دوم)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

.......★.......

بقیہ: ایک عظیم القدر دُعا کی عظیم الشان تشریح

مبارک مہینہ میں ارادہ کرلو کہ اس ظالم نفس کی ایک بھی حرام خواہش پر عمل نہیں کریں گے۔ اِن شاءاللہ۔ اگر اس مبارک مہینہ میں آپ نے یہ ارادہ کرلیا تو عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کی آمین آپ کے ارادہ کے ساتھ لگ جائے گی، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رمضان شریف میں عرشِ الٰہی کو اٹھانے والے فرشتے روزہ داروں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

.......★.......

”روزہ اور رمضان“ عقل کی نظر میں

انتخاب و ترتیب:
محمد ارمغان ارمانؔ

از افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دینِ اسلام کا ایک اہم فریضہ اور عبادت ”روزہ“ ہے جس کی اَدائیگی ہر سال ماہِ ”رمضان المبارک“ میں ہوتی ہے۔ روزہ کی عبادت میں کیا حکمتیں و مصلحتیں پوشیدہ ہیں؟ اس کے چند مصالح واسرار حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے اپنی ایک تصنیف ”المصالح العقلیہ للاحکام النقلیۃ“ (احکامِ اسلام عقل کی نظر میں) میں ارقام فرمائے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون اسی سے انتخاب ہے۔

ایک بات ذہن نشین رکھیے کہ یہ تمام مصلحتیں نہ منصوص ہیں اور نہ مدارِ احکام۔ چونکہ عصرِ حاضر میں دُشمنانِ اسلام مسلمانوں کے ذہنوں میں جن احکامِ شریعت کے متعلق مختلف قسم کے اَوہام، شکوک وشبہات اور اَشکالات واِعتراضات پیدا کرتے ہیں، اُنھی میں سے ایک روزہ کا فریضہ ہے۔ آج بہت سے نوجوان اور تعلیم جدید کے زیرِ اثر اشخاص روزہ رکھنے کے بجائے مختلف حیلے بہانے تراشتے نظر آتے ہیں۔ اس لیے ایسے ضعفاء کو دعوتِ فکر ہے کہ اس مضمون کو نہایت توجہ سے پڑھیں، اِن شآء اللہ العزیز نہایت تسلی بخش، قوت بخش اور احکامِ شرعیہ کی حقانیت پر اطمینان پیدا کرنے میں معین ثابت ہوگا۔ (جامع)

....

انسان کے لیے روزہ مقرر ہونے کے وُجوہ:

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی عقل کو اس کے نفس پر غلبہ اور تسلط دائمی حاصل رہے، مگر بباعث بشریت بسا اوقات اس کا نفس اس کی عقل پر غالب آتا ہے۔ لہٰذا تہذیب وتزکیۂ نفس کے لیے اسلام نے روزہ کو اُصول میں سے ٹھہرایا ہے۔

❶ ......روزہ سے انسان کی عقل کو نفس پر پورا پورا تسلط وغلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

❷ ......روزہ سے خشیت اور تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ

(سورۃ البقرۃ:۱۸۳)

ترجمہ: یعنی روزہ تم پر اس لیے مقرر ہوا کہ تم متقی بن جاؤ۔

۳ ......روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی و مسکنت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی قدرت پر نظر پڑتی ہے۔

۴ ......روزہ سے چشمِ بصیرت کھلتی ہے۔

۵ ......دُور اَندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے۔

۶ ......کشف حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔

۷ ......درندگی و بہمیت سے دُوری ہوتی ہے۔

۸ ......ملائکہ الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

۹ ......خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے۔

۱۰ ......انسانی ہمدردی کا دل میں اُبھار پیدا ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس نے بھوک اور پیاس محسوس ہی نہ کی ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کیونکر واقف ہوسکتا ہے؟ اور وہ رزّاقِ مطلق کی نعمتوں کا شکریہ علی وجہ الحقیقت کب اَدا کرسکتا ہے؟ اگرچہ زبان سے شکریہ اَدا کرے، مگر جب تک اس کے معدہ میں بھوک اور پیاس کا اثر اور اس کی رَگوں اور پٹھوں میں ضعف و ناتوائی کا احساس نہ ہو وہ نعمتہائے الٰہی کا کماحقہ شکرگزار نہیں بن سکتا۔ کیونکہ جب کسی کی کوئی محبوب و مرغوب مالوف چیز کچھ زمانہ گم ہو جاوے تو اس کے فراق سے اس کے دل کو اس چیز کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

۱۱ ......روزہ موجبِ صحت جسم و رُوح ہے۔ چنانچہ قلتِ اَکل و شرب کو اَطبائے صحت جسم کے لیے اور صوفیا کرام نے ''صفائی دِل'' کے لیے مفید لکھا ہے۔

۱۲ ......روزہ انسان کے لیے ایک رُوحانی غذا ہے جو آیندہ جہان میں انسان کو ایک غذا کا

کام دے گا، جنہوں نے اس غذا کو ساتھ نہیں لیا اور یہ بات ماننے کے لائق ہے جبکہ کھانے پینے کی تمام اشیاء خداوند تعالیٰ ہی کے خزانہ رحمت سے انسان کو ملتی ہیں، تو جن اشیاء کو وہ یہاں چھوڑتا ہے ان کا عوض وہاں ضرور دے گا جو یہاں سے بہتر و اَفضل ہوگا۔

۱۳ ...... روزہ محبتِ الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے، جیسے کہ کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور بیوی کے تعلقات بھی اس کو بھول جاتے ہیں، ایسے ہی روزہ دار خدا کی محبت میں سرشار ہو کر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ غیر اللہ کے جائز نہیں ہے۔

ماہِ رمضان میں روزہ رکھنے کی خصوصیت کی وجہ:

ماہِ رمضان میں روزہ رکھنے کی وجہ خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہ فرمائی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنَ

(سورۃ البقرۃ: ۱۸۵)

ترجمہ: یعنی ''ماہِ رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا''۔ پس چونکہ رمضان میں قرآنِ کریم نازل ہوا، لہٰذا یہ مہینہ برکاتِ الٰہیہ کے نزول کا موجب ہے اس لیے اس میں روزہ رکھنے سے اصل غرض جو ''لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ'' میں مذکور ہے بوجہ اکمل حاصل ہو جاتی ہے۔

رات کو روزہ مقرر نہ ہونے کی وجہ:

چونکہ رات کا وقت بالطبع ترکِ شہوات ولذّات کا ہے، لہٰذا اگر رات کا وقت روزہ کے لیے مقرر کر دیا جاتا تو عبادت کو عادت سے اور حکمِ شرع کو مقتضائے طبع سے اِمتیاز نہ ہوتا، اِسی واسطے نمازِ تہجد اور وقت تلاوت اور مُناجات ''شب'' کو قرار دیا گیا۔

ہر سال میں ایک مہینہ روزوں کے لیے مخصوص ہونے کی وجہ:

۱ ...... چونکہ روزہ کی روزانہ پابندی ہمیشہ کے لیے تمام لوگوں سے باوجود تدابیر ضروریہ اشتغال باہل و اَموال ممکن نہ تھی، لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ کچھ زمانے کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا

اِہتمام و اِلتزام کیا جاوے جس سے قوتِ ملکی کا ظہور ہو جائے اور اس سے بیشتر جو اس میں کمی ہوئی ہے اس سے اس کا تدارک ہو جائے اور اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہو جاوے جس کی پچھاڑی اگاڑی میخ سے بند ہی ہوتی ہے اور وہ دو چار بار اِدھر اُدھر لاتیں چلا کر پھر اپنی اصلی تھان پر آن کھڑا ہوتا ہے۔

۲ ...... یہ بات ضروری ہے کہ روزہ کی ایک مقدار مقرر کی جاوے تا کہ کوئی شخص اس میں اِفراط وتفریط نہ کر سکے، لہٰذا امورِ مذکورہ کے لحاظ سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینہ تک ہر دن برابر کھانے اور پینے اور جماع کرنے سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزہ کا اِنضباط کیا جاوے۔ کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھانا اور اگر رات کو ان امور کے ترک کرنے کا حکم دیا جاتا تو لوگ اس کے عادی نہیں ہوتے اس کی وجہ سے ان کو کچھ پرواہ نہ ہوتی، اور ہفتہ اور دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جس کا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا، اور دو مہینے کی ایسی مقدار ہے کہ اس میں آنکھیں گڑ جاتیں اور نفس تھک کر رَہ جاتا۔ ان امور سے روزہ کے لیے یہ بات ضروری ہوئی کہ طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک دن کا اِنضباط کیا جاوے، کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں۔

۳ ...... چونکہ روزہ تمام قسم کے نفسانی زہروں کے دفع کرنے کے واسطے ایک طرح کا تریاق ہے اور اس میں طبیعت کو تکلیف بھی ہوئی ہے، لہٰذا بقدرِ ضرورت اس کی ایک معین مقدار ہونی چاہیے، چونکہ نہ اتنی کم ہو جس سے کچھ فائدہ ہی نہ ہو اور نہ اس قدر اِفراط کر دی جائے کہ اس سے اعضا میں ضعف آ جائے اور دِلی فرحت جاتی رہے اور نفس کمزور ہو جائے اور انسان بالآخر اس محنت سے قبر ہی میں جلدی نہ چلا جائے، اور یہ معتدل مقدار وہی ہے جو مشروع ہوئی پھر کھانے پینے میں کمی کرنے کے دو طریقے ہیں:

ایک تو یہ کہ مقدار میں تھوڑا سا استعمال کرے، یہ طریقہ تو عام قانون کے تحت میں بمشکل آ سکتا ہے، اس لیے کہ لوگوں کے مختلف درجہ ہیں؛ کوئی تھوڑا کھاتا ہے اور جتنے طعام سے ایک شخص سیر ہو جاتا ہے دوسرا بھوکا رہتا ہے، سو اِس میں اِنضباط نہ ہوتا اور ہر شخص بہت کھا کر کہہ دیتا کہ میں نے اپنی

بھوک سے کم کھایا ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ کھانے کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ معمول سے زیادہ ہو، یہی طریقہ شریعت میں معتبر ہے کیونکہ تمام صحیح المزاج آدمیوں کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ لوگ عام طور سے صبح وشام دومرتبہ کھاتے ہیں یا دن رات میں ایک ہی بار کھاتے ہیں، باقی یہ نہیں ہوسکتا کہ روزانہ لوگوں کو کم کھانے کے تکلیف دی جائے مثلاً کہا جاوے کہ تم لوگ اس قدر کھایا کرو کہ حیوانیت مغلوب رہے، ایسا حکم دینا موضوعِ شریعت کے خلاف ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جو بھیڑیے کو چرواہا بنائے وہ خود ظالم ہے، ہاں غیر واجبات میں ایسا کرنا مناسب نہیں۔ پھر یہ بھی لازم ہے کہ وہ فاصلہ اتنی دیر کا نہ ہو کہ اس سے نقصان پہنچے اور قوت کا استیصال ہو جائے، مثلاً تین رات دن برابر بھوکا رہنے کا حکم ہوتا اس لیے کہ یہ موضوعِ شریعت کے خلاف ہے اور ہر ایک کو اس کی تکلیف نہیں دی جاسکتی، اور یہ بھی ہونا چاہیے کہ بھوکے پیاسے رہنے کے لیے بار بار کی بھی قید ہونا کہ ریاضت اور اطاعت کا مادّہ پیدا ہو ورنہ ایک بار بھوکے رہنے سے خواہ وہ کیسی ہی قوی اور سخت بھوک ہو، کیا فائدہ ہوگا؟

ان مقدمات کے تسلیم کرنے پر ماننا پڑے گا کہ روزہ پورے دن بھر کا کامل ایک مہینہ تک ہونا چاہیے، کیونکہ دن بھر سے کم تو ایسا ہے کہ دن کا کھانا ذرا تاخیر کر کے کھایا جاوے، اور اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ رات کے کھانے کی پروا بھی نہیں کرتے اور ایک دو ہفتہ بہت تھوڑی مدت ہے جس کا اثر نہیں ہوسکتا اور دو مہینہ تک روزہ رکھنے سے طبیعت بہت کمزور ہو جاتی ہے جیسا اُوپر مذکور ہوا۔

❹ ...... چونکہ روزہ کے قانون کو عام ہونا چاہیے اس لیے کہ اس میں سب کی اصلاح و تہذیب مقصود ہے لہٰذا ہر شخص اس بات کا مجاز نہ ہو کہ جس مہینے میں آسانی سمجھے روزہ رکھ لے، اس لیے کہ اس میں بابِ معذرت کے وسیع ہو جانے کا اور اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اِنسداد کا اور اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت میں سُستی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

❺ ...... مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کا ایک وقت میں کسی ایک چیز کی پابندی کرنے سے ایک دوسرے کو اس کام میں مدد ملے گی، آسانی ہوگی اور کام کرنے کی ہمت پیدا ہوگی۔

۶ ......ایک کام کو ایک ہی وقت میں ساری دنیا کے مسلمانوں کا بلا اتفاق مل کر کرنا ان کے لیے باعثِ نزولِ رحمتِ الٰہی اور ان میں صورت اتفاق و اتحاد کے لیے مفید ہے، یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے خدا تعالیٰ نے روزوں کا ایک ہی مہینہ معین و مشخص کیا ہے، پس جو شخص اس نظامِ الٰہی کو بغیر عذر کے توڑتا ہے اس پر بجائے ''رحمت'' کے ''زحمت'' کا نزول ہوتا ہے۔

یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہونے کی وجہ:

سوال: یکم شوال کا روزہ رکھنا حرام اور رمضان کا اُخیری روزہ فرض ہونے کا کیا راز ہے؟ باوجودیکہ دونوں یوم یکساں ہیں۔

جواب: یہ دونوں یوم مرتبہ اور درجہ میں برابر نہیں، اگرچہ طلوع وغروبِ آفتاب میں یکساں نہیں، مگر حکمِ الٰہی میں یکساں نہیں، کیونکہ ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس کے روزے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیے ہیں اور یکم شوال لوگوں کی عید وسُرور کا دن ہے جس میں خدا تعالیٰ نے لوگوں پر کھانا پینا بطورِ شکر گزاری بندگانِ خدا پر مُباح کیا ہے، اس لیے اس دن سب لوگ خدا تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کے مہمان کو واجب ہے کہ اس کی دعوت وضیافت کو قبول کرے، یہ اَمر خدا تعالیٰ کا سخت ناپسند ہے کہ اس دن کوئی شخص روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کی دعوت وضیافت کو رَدّ کرے۔ مہمان کے لوازم وآداب میں سے یہ اَمر بھی ہے کہ روزہ رکھے تو صاحب خانہ یعنی میزبان کے اِذن سے رکھے، پس جبکہ یکم شوال کو اہلِ اسلام خدا تعالیٰ کے خاص مہمان ہوتے ہیں تو پھر اس دن کسی کو روزہ رکھنا جائز ہو سکتا ہے؟

یہ اَمر شریعتِ اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ہے کہ خدا نے رمضان کا آخری روزہ رکھنا فرض کیا، کیونکہ یہ روزہ خدا تعالیٰ کے اتمامِ نعمت وخاتمہ عمل کے لیے ہے، اور شوال کی یکم کو روزہ رکھنا حرام ہو، کیونکہ وہ ایسا دن ہے کہ اس میں تمام مسلمان اپنے پروردگار کے مہمان ہوتے ہیں۔ یوں تو تمام مخلوق خدائے تعالیٰ کی دائمی مہمان ہے، مگر یہ دن ان کی ایک مخصوص مہمانی وضیافت کا ہے جس کو رَدّ کرنا گناہِ عظیم ہے۔

ماہِ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند ہونے اور بہشت کے دروازے کھلنے کی وجہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ سے راوی ہیں:

اِذَا جَآءَ شَھْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ وَ
غُلِقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَ صُفِدَتِ الشَّیٰطِیْنُ

ترجمہ ’’یعنی جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو بہشت کے دروازے کھلتے اور دوزخ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور شیطان جکڑے جاتے ہیں‘‘۔

یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا میں عام شرور اور بدیاں جو انسانوں سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان کی سیری وقوتِ جسمی کی وجہ سے ہوتی ہیں، سو جب روزہ کے سبب قوتِ جسمی میں فتور آجاتا ہے تو گناہوں میں کمی ہو جاتی ہے۔ پس جب انسان محض خدا تعالیٰ کے لیے بھوکے اور پیاسے ہوتے اور گناہوں کو ترک کرتے ہیں تو ان کے لیے رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور بہشت کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔ اور دوزخ کا بند ہونا بھی ظاہر ہے کہ جب گناہوں کا دروازہ ہی بند ہوگیا جس کے باعث سے غضبِ الٰہی کی آگ بھڑکتی ہے تو بے شک دوزخ کے دروازے بھی بند ہوجائیں گے۔ اور شیاطین کا جکڑا جانا بھی ظاہر ہے کہ جب بنی آدم کے رَگ وریشہ وجسم میں توانائی اور شکم میں سیری ہوتی ہے تو گناہوں کی طرف رغبت ہوتی ہے اور اندر سے پٹھوں اور ریشوں سے شیطانی تحریکات شروع ہو جاتی ہیں، مگر جب سارے جسم میں بھوک اور پیاس کا اثر ہوا اور بحکمِ الٰہی شہوانی قویٰ کو روزہ کی خاطر دبا دیا جاوے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح سے شیطان جکڑے جاتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

ان الشیطان یجری من بن اٰدم کمجری الدم

ترجمہ: یعنی ’’شیطان بنی آدم کے رَگ وریشہ میں خون کی طرح جاری اور رَواں رہتا ہے‘‘۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ شیطان کا مقام بنی آدم کے رَگ وریشہ میں ہوتا ہے، پس

(باقی صفحہ ۴۷ پر)

احترامِ رمضان المبارک

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب مدظلہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رمضان المبارک کامہینہ ایک بار پھر مسلمانوں کے لیے رحمت خداوندی کا موسم بہار بن کر آ گیا ہے۔

شعبان المعظم کے آخری روز حضور اکرم ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے وہ کتب حدیث میں تفصیلاً موجود ہے اس میں آپ ﷺ کے ارشاد گرامی **قداظلکم شھر عظیم** (تم پر ایک عظیم برکت والے مہینہ نے سایہ ڈالا ہے) سے واضح ہے کہ یہ نہایت بابرکت اور عظمت والا مہینہ ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے اس مبارک خطبہ سے جہاں اس ماہِ مقدس کی عظمت و برکت معلوم ہو رہی ہے وہیں اس میں مسلمانوں پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا بھی پتہ چل رہا ہے۔

اس مقدس مہینہ کا ہر لمحہ بڑا قیمتی ہے یوں تو انسان کی زندگی کے تمام لمحات قابل قدر ہیں اس انسان پر جتنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر وقت سراپا شکر بنا رہے اور اپنے خالق کی عبادت میں مصروف رہے لیکن دنیاوی دھندوں میں گھرے ہوئے اس انسان کو اس کی فرصت کہاں ہے کہ وہ ہر وقت عبادت میں وقت گزارے اس لیے اللہ تعالیٰ نے چند ایسی عبادتیں مقرر فرمادی ہیں کہ ان کو ادا کرنے سے انسان اپنے خالق کو راضی کر سکتا ہے اور اس کی زندگی عبادت میں گزر سکتی ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے دنیاوی جائز کام میں بھی وقت دے سکتا ہے۔ انہی عبادتوں میں سے ایک عبادت روزے کی بھی ہے جو ہر مسلمان عاقل، بالغ، صحت مند، مقیم، مرد و عورت پر سال میں ایک ماہ کے لیے فرض کی گئی ہے۔ جس کا مقصد قرآن کریم میں حصول تقویٰ قرار دیا ہے۔

اس مقدس مہینہ کے دن اور راتیں دونوں ہی باعث برکت ہیں، اس مہینہ کو اللہ تعالیٰ کی

تجلیات کا خاص قرب حاصل ہے اسی لیے حدیث میں اس کو اللہ تعالیٰ کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔اس میں کی گئی عبادت کا ثواب بہت زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے،قرآن کریم بھی اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ میں نازل فرمایا جس میں تمام نوع انسان کی ہدایت کے ضابطے اور مسلمانوں کی ترقی کے اسباب بیان فرمادیے گئے ہیں،نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کردیا گیا ہے۔

روزہ دار اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے اس کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک سے زیادہ محبوب ہے،مومن کا رزق اس میں زیادہ کردیا جاتا ہے،جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں،سرکش شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے،غرضیکہ ہر اعتبار سے برائیوں کا انسداد اور نیکیوں کی طرف متوجہ ہونے کا پورا سامان مہیا فرمادیا جاتا ہے اور یہ مہینہ ہر طرح سے موسم بہار بن کر گزر سکتا ہے،پھر اس میں ایک رات ایسی عطا فرمائی گئی ہے جس کی عبادت ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی بہتر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تراویح کو اس میں سنت قرار دیا،اس لیے رات کو مساجد قرآن کریم کی آواز سے معمور رہتی ہیں،آپ ﷺ نے اس کے پہلے عشرہ کو رحمت،دوسرے کو مغفرت اور تیسرے کو جہنم سے آزادی کا باعث فرمایا،آخری عشرہ کا اعتکاف بھی سنت ہے،اس کے بہت سے فضائل آپ ﷺ نے بیان فرمائے۔

الحاصل!پورا مہینہ ہی عجیب وغریب عبادات سے مرکب ہے کہ انسان اگر ذرا سی ہمت کرے تو محروم نہیں رہ سکتا،گویا جنت کی خریداری کا بہترین موسم ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

جس کا رمضان بخیریت گزر گیا،اس کا سارا سال خیریت سے گزرے گا۔

اس میں مسلمانوں کے لیے بڑی بشارت ہے جس کا تقاضا ہے کہ مسلمان اس مقدس مہینہ کا

پورا احترام کریں، ہر مسلمان میں نیکی کی جذبات بڑھنے چاہیں اور اسے اس بات کا لالچ ہو کہ میرا کوئی لمحہ ضائع نہ جائے۔

حکومت کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ رمضان المبارک کے احترام میں قانونی طور پر کوئی کسر نہ اٹھا رکھے اور قانونی طور پر تمام برائیوں اور فحاشیوں کے اڈے ختم کردے اور ریڈیو ٹی وی کی تطہیر کرے، فحش پروگرام ختم کردے، وسی آر ختم کردیے جائیں، بے پردگی کو جرم قرار دیا جائے، معاشرہ کو اسلامی بنانے کے لیے ملک کے معاشی نظام کو بھی اسلام کے مطابق ڈھال دے اور تعلیمی اصلاحات بھی اسلامی تقاضوں کے مطابق بنائے مرد وزَن کی مخلوط تعلیم پر پابندی لگادے اور مسلمانوں کو بھی اس میں حکومت کا تعاون کرنا چاہیۓ اگر حکومت صحیح معنیٰ میں اسلام کے ساتھ مخلص ہے تو اسے بھی اس مقدس مہینہ میں اپنے اعمال پر نظر ثانی کرنا ضروری ہے اس کے لیے سنہری موقع ہے کہ اپنی تمام تر غلط پالیسیوں کو ترک کرکے اسلام کا سچا نظام نافذ کردے تاکہ اس کی برکات سے مسلمان بہرہ ور ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس مبارک ماہ کی قدر نصیب فرمائیں اور اس کا پورا پورا احترام بجالانے کی توفیق دیں، اگر احترام رمضان میں کوتاہی کی گئی تو یاد رکھیے کہ جس طرح اس زمانہ میں عبادت کا ثواب بڑھ جاتا ہے اسی طرح بُرائی کا عذاب بھی بڑھ جاتا ہے، لہٰذا مسلمان کو بطور خاص اس مہینہ میں تمام معاصی کا ترک کردینا ضروری ہے تاکہ دوہرے عذاب سے بچ جائے۔

آج کل معاشرہ میں طرح طرح کی بُرائیاں جنم لے رہی ہیں اور نت نئے گناہ کے فتنے سامنے آرہے ہیں، گھر گھر میں ٹی وی، وی سی آر، فحش تصاویر، ناول واخبارات عام ہیں، گناہ کبیرہ کثرت سے ہورہے ہیں۔ جب تک مسلمان ان گناہوں کو نہیں چھوڑتا اس وقت تک احترام رمضان کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ سے محفوظ فرمائے اور اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں زندگی گزارنے کی توفیق دے، آمین۔

آخر میں گزارش ہے کہ اس ماہ مبارک میں بطور خاص زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارنے کی کوشش کریں روزہ، تراویح، اعتکاف، تلاوت قرآن کریم، جماعت سے نماز کے ساتھ اللہ

والوں کی صحبت اور دینی کتب کے مطالعہ کی پابندی بھی لازمی ہے اگر ایک ماہ کا وقت اس طرح گزر گیا تو اِن شاء اللّٰہ تعالیٰ اس کے اثرات پورے سال تک رہیں گے، اور کھلی برکتوں کا ظہور ہوگا، واللّٰہ الموفق والمعین ان ارید الا الاصلاح مااستطعت وماتوفیقی الاباللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

تمام مسلمانوں سے عموماً اور قارئین الحقانیہ [اور التربیت] سے خصوصاً درخواست ہے کہ وہ ماہِ مقدس کی مبارک ساعتوں میں اپنی ادعیہ صالحہ میں عام امت مسلمہ، اپنے وطن عزیز پاکستان کی حفاظت اور سلامتی کی دعا کے ساتھ احقر ناکارہ اس کے اہل خانہ اولاد اعزہ اقارب واساتذہ کرام، مشائخ عظام کیلئے فلاح دارین کی ضرور دعا فرماویں، جامعہ حقانیہ کی ترقی اور اپنے والدین کریمین کی مغفرت اور رفع درجات کے لیے خاص طور پر دعا کی درخواست ہے، احقر ناکارہ بھی سب کے لیے دعا گو ہے۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ ولوالدیہ

۳۶/۸/۱۴ھ

......★......

مسائل کے حل کے لیے ماہرین سے رجوع کی ضرورت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: مجھے ایک وکیل سفر میں ملے ان سے سفر کی علّت (وجہ) پوچھی، کہنے لگے کہ: اپنے ذاتی مقدمہ میں جا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ: آپ کو تو وکیل کرنا نہ پڑتا ہوگا۔ کہنے لگے کہ: خود صاحب معاملہ ہونے سے عقل درست نہیں رہتی، اس لیے ہم کو بھی وکیل کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ خود بھی وکیل تھے۔ اکابر کو ہمیشہ دیکھا ہے کہ اپنے چھوٹوں تک سے مسئلہ کی تحقیق کرتے تھے۔ جب ماہرین فن کی یہ حالت ہے تو غیر ماہرین کو تو بطریق اولیٰ ماہرین کی اطاعت ضروری ہے۔ (امثالِ عبرت: ۱۹۶)

ایک عظیم القدر دُعا کی عظیم الشان تشریح

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(دوسری وآخری قسط)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کریم کی تعریف کرنا خود دُعا ہے:

یہیں سے اِبتداء ہے، معافی کی درخواست یہیں سے شروع ہے کیوں؟ علماء نے لکھا ہے کہ:

ثَنَاءُ الۡکَرِیۡمِ دُعَاءٌ

''کسی کریم کی تعریف کرنا دعا ہی ہے''۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے یہ کہنا کہ آپ بہت معافی دینے والے ہیں تو کریم کی تعریف خود اپنے حاملِ مضمون دعا ہے، حاملِ مضمونِ درخواستِ معافی واستغفار ہے۔ جیسے عرفات کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خاص دعا ثابت نہیں، اگر عظیم الشان اور نہایت قوی روایات سے ثابت ہے تو ایک ہی دعا ثابت ہے، اگرچہ اور دعا مانگنا جائز ہے، اور دعائیں بھی ممکن ہے کہ ثابت ہوں، لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا اہمیت کے ساتھ عرض کی کہ:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ، لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ یُحۡیِیۡ وَ یُمِیۡتُ بِیَدِہِ الۡخَیۡرِ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ

جو لوگ عربی جانتے ہیں، بتاؤ کہ اس میں کیا مانگا ہے؟ سب اللہ کی تعریف ہے کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آپ کے سوا ہمارا کوئی نہیں ہے، آپ کے سوا ہمارا کون ہے؟ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ آپ ایک ہیں، ہماری ربوبیت میں کسی کی شرکت نہیں ہے کہ ہمیں پالنے میں دوسرا کوئی شریک ہو، ہماری ربوبیت میں کوئی آپ کا شریک نہیں۔ لَہُ الۡمُلۡکُ سارا عالم آپ کا ہے۔ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ سب تعریفیں آپ ہی کی ہیں۔ بِیَدِہِ الۡخَیۡرِ سب بھلائی کے مالک آپ ہی ہیں۔ یُحۡیِیۡ وَ یُمِیۡتُ موت اور حیات کے آپ ہی مالک ہیں۔ ورنہ ڈاکٹر خود کیوں مرتا ہے۔ ناظم آباد میں دل کا ایک ڈاکٹر مریض کے دل کی حرکت شمار کررہا ہے اور خود اس کا ہارٹ فیل ہوگیا۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ

قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

بتائیے! اس کلمہ میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا؟ آہ! علمی طور پر کتنا بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی عظیم القدر ذات سے، عرفات کے میدان میں اور عرفہ کے عظیم القدر دن میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کا عظیم القدر مضمون بیان ہو رہا ہے، لیکن اس میں بندوں کی معافی کا کوئی مضمون نہیں، جنت کا سوال نہیں، دوزخ سے پناہ کا کوئی مضمون نہیں ہے۔

اس کا جواب علماء کرام نے یہ دیا ہے کہ ثَنَاءُ الْکَرِیْمِ دُعَاءٌ کسی کریم کی تعریف کرنا عظیم الشان دعا ہے، کیونکہ اگر کوئی خاص مضمون مانگ لے، کوئی خاص چیز مانگ لے تو کریم اتنا ہی دے گا جتنا اس نے مانگا ہے، لیکن جب اس کی تعریف کرے گا تو مانگا ہوا بھی دے گا اور نہ مانگا ہوا بھی دے گا، اپنا سارا خزانۂ کرم لُٹا دے گا۔ یہ حضور ﷺ کی اَدائے بندگی کا عظیم الشان کرشمہ ہے کہ اللہ کی تعریف کے اس مضمون کے اندر آپ ﷺ نے اپنے لیے بھی اور اپنی امت کے لیے عظیم الشان چیزیں مانگ لیں۔ ویسے بھی عرفات کے میدان میں تھوڑا سا وقت ہوتا ہے تو میری امت کیا کیا مانگے گی، اس میں کمزور بھی ہوں گے جو بے چارے تھک جائیں گے۔ یہ آپ ﷺ کا امت پر احسانِ عظیم ہے کہ ثَنَاءُ الْکَرِیْمِ سکھا دیا کہ بس تم جا کر کریم کی تعریف کر دو، جو تم نے زندگی بھر مانگا وہ بھی دے دے گا اور جو نہیں مانگا بلا مانگے سب کچھ دے دے گا، دونوں ہاتھوں سے خزانۂ کرم لُٹا دے گا۔

کمالِ بلاغتِ نبوت:

تو حضور ﷺ نے ہمیں شبِ قدر میں یہ دعا سکھائی اور ثَنَاءُ الْکَرِیْمِ سے مضمون کی ابتداء کی کہ آپ بہت معافی دینے والے ہیں۔ یہ محض اللہ کی تعریف ہے، اس میں یہ نہیں ہے کہ معاف کر دیجیے، مگر یہ تعریف ہی حاملِ دعاءِ مغفرت، دعاءِ معافی ہے، یعنی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ

بعض روایات میں کَرِیْمٌ کا لفظ نہیں ہے، اور بعض میں ہے، لیکن اگر ایک جگہ کَرِیْمٌ کا اضافہ ہے اور دوسری جگہ نہیں، تو جہاں نہیں ہے وہاں بھی وہ اضافہ لگ جاتا ہے۔ جب مطلق مضمون ہو اور کہیں

مقیّد ہوتو اس کی قید اس مطلق کے ساتھ بھی معتبر ہوگی، لہٰذا جہاں لفظ ''کریم'' نہیں ہے وہاں بھی یہ ''کریم'' لگ جائے گا۔ تو بلاغتِ نبوت کا کمال دیکھو کہ اللہ کی صفت یعنی کریم کا ایسا لفظ بڑھایا کہ جس سے نالائق سے نالائق اُمتی بھی محروم نہ رہنے پائے۔

لفظ ''کریم'' کی شرح:

ابھی ''کریم'' کی شرح سے آپ سمجھ جائیں گے۔ کریم کی چار تعریف ہے جو میں الگ الگ بیان کروں گا جو مُلاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مرقاۃ'' شرح ''مشکوٰۃ'' میں تحریر فرمائی ہے جو عربی میں ہے۔ تو پہلے عربی کی عبارت سناؤں گا پھر اس کا ترجمہ کروں گا۔

۱ کریم وہ ہے جو نالائقوں پر بھی فضل فرمادے:

کریم کی پہلی تعریف ہے:

اَلْکَرِیْمُ ھُوَ الَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَ الْمِنَّۃِ

کریم وہ ہے جو ہم پر مہربانی کردے، چاہے نالائقی کی وجہ سے ہمارا حق نہ بنتا ہو۔ بتاؤ! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم گنہگاروں پر احسان ہے یا نہیں؟ کہ اگر گناہوں کی وجہ سے میری امت پر عدمِ استحقاق کی دفعہ لگتی ہو کہ کرم کا تمہارا استحقاق نہیں بنتا تو کریم کا لفظ بڑھانے سے میری امت کو استحقاق کا راستہ مل جائے کہ آپ تو کریم ہیں ہمارا حق بنے نہ بنے، کریم وہی ہوتا ہے جو نالائقوں پر بھی مہربانی کردے۔ جیسا کہ کوئی سودا بِک نہ رہا ہو اور سورج ڈوب رہا ہو اور بیچنے والا مایوس ہو رہا ہو تو کریم پوچھتا ہے کہ بھئی کیا بات ہے تم سامان نہیں سمیٹ رہے؟ کہنے لگا: بِک نہیں رہا ہے صاحب! عیب دار سودا ہے۔ تو کریم کہتا ہے کہ: اچھا لاؤ! مجھے دے دو۔ تو کریم ہمیشہ عیب دار سودا خریدتا ہے۔ علاّمہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ

(سورۃ التوبۃ: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا نفس خریدا ہے۔ علاّمہ آلوسی لکھتے ہیں کہ دل اور روح نہیں فرمایا

جبکہ ہر مومن کا دل اور روح اس کے نفس سے افضل ہے تو اللہ نے افضل کو نہیں خریدا عیب دار نفس کو خریدا، نفس ''امّارۃ بالسّوء'' کو خریدا اور کس کے بدلہ میں خریدا؟ اس جنت کے بدلہ میں اَلَّتِیْ لَا عَیْبَ فِیْھَا جس میں کوئی عیب نہیں۔ تو عیب دار نفس کو بے عیب جنت کے بدلہ خریدا۔ علاّمہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کریم ہونے کی یہ عظیم الشان دلیل ہے ورنہ فرماتے: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ قُلُوْبَھُمْ وَ اَرْوَاحَھُمْ ان کا دل اور روح خریدا۔ تو اللہ نے دونوں اچھی چیزوں کو چھوڑ دیا اور ہماری خراب چیز خرید لی، ہمارا عیب دار، گنہگار، نالائق نفس خرید لیا اور قلوب اور اَرواح کو نظر انداز کر دیا کہ اچھی چیز کو تو سب ہی خریدتے ہیں لیکن عیب دار چیز کو صرف کریم ہی خریدتا ہے۔

۲ کریم وہ ہے جو بغیر مانگے خزانۂ کرم لُٹا دے:

کریم کی دوسری تعریف ہے:

اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ مَسْئَلَۃٍ وَّ سُوَّالٍ

جو سوال کے بغیر، مانگے بغیر بھی دے دیتا ہے۔ آپ بتائیے! کتنی نعمتیں ہم کو ملیں جن کو ہم نے مانگا بھی نہیں تھا مثلاً انسان بننے کی درخواست ہماری روح نے نہیں کی تھی، وہاں روح کی زبان ہی نہیں تھی پھر بھی اللہ نے ہم کو انسان بنایا، گدھا، کُتّا، سور نہیں بنایا۔ پھر مسلمان گھرانے میں پیدا کر کے جنت کا ٹکٹ مفت میں دے دیا، پھر اچھے گھرانے میں پیدا کیا، کسی گمراہ فرقہ میں نہیں پیدا کیا، صحیح العقیدہ فرقہ میں پیدا کیا۔ کیا یہ ان کے کریم ہونے کی دلیل نہیں ہے؟ پھر ہم کو سلیم الاعضاء خَلق فرمایا، اندھا، لنگڑا، لولا، گونگا، بہرہ نہیں پیدا کیا۔ سَر سے پَیر تک سلامت پیدا کیا۔ یہ سب کیا ہے؟ جو بلا سوال اتنا دے سکتا ہے، جو بغیر مانگے جنت کا ٹکٹ دے سکتا ہے وہ دنیا کا ٹکٹ بھی دے سکتا ہے۔ بتاؤ! جنت کا ٹکٹ مہنگا ہے یا دنیا کا؟ ارے مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے جنت کا ٹکٹ مجاناً یعنی مفت میں دے دیا۔

۳ کریم وہ ہے جس کو اپنے خزانے کے ختم ہونے کا اندیشہ نہ ہو:

کریم کی تیسری تعریف ہے:

اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا وَ لَا یَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَہٗ

جو ہمیں اتنا دیتا ہے کہ اپنے خزانے کے ختم ہونے کا اندیشہ نہیں کرتا کیونکہ ان کا خزانہ غیر محدود ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ ڈرنے والے ہمیشہ محدود خزانے کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر سمندر سے ایک لوٹا پانی لے لو تو سمندر کو کوئی خوف نہیں ہوگا کہ ارے آج ایک لوٹا کم ہوگیا جبکہ سمندر بھی محدود ہے، تو پھر اللہ کے غیر محدود بحرِ کرم کا کیا پوچھتے ہو۔

۴ کریم وہ ہے جو تمناؤں سے بڑھ کر عطا کردے:

اور کریم کی چوتھی تعریف ہے:

اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا فَوْقَ مَا نَتَمَنّٰی بِہٖ

جو ہماری تمناؤں سے زیادہ دیتا ہے۔ تمنّا کی ایک بوتل شہد کی، اور دے دیا ڈھائی من شہد مشک بھر کے۔ تو کریم کی چار تعریفیں ہوگئیں۔

پس کریم فرما کر اس عظیم القدر شخصیت نے برائے شبِ قدر یہ مضمون عطا فرمایا جو نہایت عظیم القدر ہے اور ہر اُمتی کی معافی کی ضمانت کا کفیل ہے تاکہ کوئی نالائق سے نالائق اُمتی بھی محروم نہ رہے۔

بندوں کو معاف کرنا اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل ہے:

تو اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ کے دو الفاظ یعنی عَفُوٌّ اور کَرِیْمٌ کی شرح ہوگئی۔ اب ہے تُحِبُّ الْعَفْوَ۔ اس کی عربی شرح سن لو جو مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں ہے۔ پہلے میں عربی میں بتاؤں گا:

اَیْ اَنْتَ تُحِبُّ ظُھُوْرَ صِفَۃِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِکَ

آپ اپنے بندوں پر اپنی معافی دینے کی صفت کے ظہور کو محبوب رکھتے ہیں، اپنے بندوں کو معاف کرنا آپ کا محبوب عمل ہے۔

تُحِبُّ الْعَفْوَ کی شرح کی عاشقانہ تمثیل:

آپ بتایئے! ہرن کے شکار کا عاشق کوئی بادشاہ کہیں جائے اور وہاں کے عوام اس بادشاہ کو

ہرن کا جنگل دکھا دیں تو بادشاہ خوش ہو کر انعام اور شاباشی دیتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے محبوب شکار کا جنگل اپنی امت کی طرف سے پیش کر دیا یعنی گناہوں کا جنگل کہ اے اللہ! جب آپ کو معاف کرنا محبوب ہے تو یہ میری اُمت آپ کا محبوب شکار لائی ہے یعنی اپنے گناہوں کے جانوروں کا جنگل۔ آپ شکار کر لیجیے اور اپنا محبوب عمل جاری کر دیجیے یعنی میری امت کو معافی دے دیجیے، کیونکہ تُحِبُّ الْعَفْوَ معاف کرنے کو آپ محبوب رکھتے ہیں۔ اس عظیم القدر شخصیت ﷺ نے اپنی امت کو سکھا دیا کہ اے میری اُمت! یوں کہو کہ اے اللہ! آپ اپنا محبوب عمل ہم پر نافذ کر کے اور ہمارے گناہوں کو معاف کر کے خوش ہو جائیے، اور اے میری اُمت اس دعا سے تمہارا بیڑا بھی پار ہو جائے گا۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے گناہ خیر ہیں، تمہارے گناہ خراب چیزیں ہیں مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنا محبوب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اپنا محبوب عمل کر کے اپنی محبوب صفت کا تم پر ظہور کر دے اور تمہارا بیڑا پار ہو جائے۔ اس لیے یہ کہو کہ اے اللہ! ہم آپ کے قابل کوئی چیز نہیں لا سکتے کہ آپ کو پیش کر سکیں کیونکہ ہم حقیر ہیں، آپ عظیم ہیں، ہم محدود ہیں، آپ غیر محدود ہیں، ہم فانی ہیں، آپ غیر فانی ہیں، لہٰذا ہم ایسی کوئی چیز نہیں لا سکتے جو آپ کے لائق ہو لیکن چونکہ آپ کے عظیم القدر رسول ﷺ نے عظیم القدر راتوں کے لیے ہمیں ایک مضمون عطا کیا ہے جس میں آپ کے نبی نے آپ کی ادائے خواجگی پیش کی ہے اس لیے ہم اپنی اس ادائے بندگی کو غنیمت سمجھتے ہیں، اور ہماری یہ ادائے بندگی غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کی یہ ادائے خواجگی آپ کے رسول نے ہمیں سکھائی ہے اور سفیر کی زبان اس مملکت کے سلطان کی زبان سمجھی جاتی ہے، لہٰذا ہم اس کو آپ ہی کی زبان سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم کچھ نہیں لائے، بس ہم اپنے گناہوں کی گٹھڑی پیش کرتے ہیں اور آپ نے تو اس گٹھڑی کے بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا:

وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

(سورۃ الاحزاب: ۷۲)

کہ انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے۔ تو ہم ظلم اور جہل کی گٹھڑی لائے ہیں، میری محبت اور

شریعت کی امانت اس ظالم انسان نے اٹھالی، یہ بڑا ظالم جاہل ہے۔ اس لیے ہم ظلم و جہل کی یہی گٹھڑی آپ کے لیے لائے ہیں، اب آپ اس کو معاف کردیجیے اور اپنے محبوب عمل کی صفت کا ظہور فرمائیے۔

اور دیکھئے! ایک بات حضور ﷺ نے اور سکھا دی کہ جیسے انسان اپنے محبوب شکار میں دیر نہیں کرتا، جلدی شکار کر لیتا ہے تو تُحِبُّ الْعَفْوَ اے اللہ! اپنے اس محبوب عمل والی صفت کے ظہور میں آپ ایک سیکنڈ بھی تاخیر نہ کیجیے، آپ معاف کرنے کے عمل کو محبوب رکھتے ہیں، جب یہ آپ کا محبوب عمل ہے اور آپ خود بھی محبوب ہیں اور مضمون بتانے والے یعنی سرورِ عالم ﷺ بھی آپ کے محبوب ہیں، تو فَاعْفُ عَنِّیْ آپ صفتِ عفو کے ظہور میں ذرا بھی دیر نہ کیجیے تاکہ ہمارا بیڑا جلد پار ہو جائے، آپ کی ذات تو بے نیاز ہے لیکن ہم آپ کی معافی کے محتاج ہیں۔ آپ کی صفتِ عفو محتاج نہیں ہے کیونکہ وہ ہر وقت موجود ہے لیکن اس کا ظہور مجھ پر فرمائیے کیونکہ آپ کی کوئی صفت محتاجِ ظہور نہیں ہے آپ صَمَد ہیں، آپ اَلْمُسْتَغْنِیْ عَنْ کُلِّ اَحَدٍ وَ الْمُحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ یعنی آپ سارے عالم سے بے نیاز ہیں اور سارا عالم آپ کا محتاج ہے۔ اس لیے اپنی صفتِ عفو کے ظہور سے آپ بے نیاز ہیں، گر ہم سب آپ کے بندے، آپ کے غلام اس صفتِ عفو کے ظہور کا مظہر بننے کا محتاج ہیں کہ آپ کی اس صفت کا ہم پر ظہور ہو جائے اور آپ کی صفتِ عفو کے ظہور کے ہم سب مظہر ہو جائیں یعنی صفتِ عفو کے ظاہر ہونے کی جگہ بن جائیں اور ہم سب کا بیڑا پار ہو جائے۔

اس لیے حضور ﷺ بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں فَاعْفُ عَنِّیْ اے اللہ! آپ اپنی صفتِ عفو کے ظہور میں ذرا بھی دیر نہ کیجیے تاکہ جلد ہمارا کام بن جائے۔

فَاعْفُ عَنِّیْ میں فائے تعقیبیہ ہے، یہ قاعدہ عربی گرامر سے سن لو، مگر گرامر بھی ان کو مفید ہوتی ہے جو اپنے نفس کو گراتے ہیں پھر مَر جاتے ہیں۔ ''گرامر'' میں دو لفظ ہیں نا بھئی! یعنی ''گرا'' اور ''مَر''، تو پہلے اپنے نفس کو کسی شیخ کے قدموں میں گراتے ہیں پھر وہاں مرجاتے ہیں یعنی ''فانی فی الشیخ'' ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہاسپٹل میں گرا ہوا تو ہے مگر چارپائی پر لیٹا ہوا، گرا ہوا بھی نرسوں کو دیکھ رہا ہے تو یہ گرا ہوا تو ہے مگر مرا نہیں، یعنی ابھی اس کا نفس زندہ ہے۔ لہٰذا نفس کی ہر بُری خواہش کو ختم کر دو، اس

(باقی صفحہ ۳۷ پر)

فیضِ مُرشد

''زبان'' ترجمانِ دِل ہے

از: محمد ارمغان ارمانؔ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، اَمَّا بَعۡدُ!

انسان کے دِل میں جس کی محبت ہوتی ہے زبان پر اُسی کا تذکرہ سب سے زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ زبان دِل کی ترجمان ہے۔ اب ہر کوئی اپنا آپ خود سے جانچے کہ ''مجھے کس سے محبت زیادہ ہے؟'' یاد رکھئے! جس دِل میں غیر اللہ کی محبت سمائی ہوئی ہو اس دِل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں آسکتی، کیونکہ جمع ضدین محال ہے۔ شیخ المشائخ حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایک منسوب شعر ہے ۔

بھر رہا ہے دِل میں حُبِّ جاہ و مال
کب سماوے اس میں حُبِّ ذوالجلال

اور مولانا رُومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دوں
اس خیال است ومحال است وجنوں

ایک مرتبہ چند لوگ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھے ہوئے دُنیا کی بُرائی بیان کرنے میں مصروف تھے کہ ''دُنیا ایسی ہے، دُنیا ویسی ہے...... وغیرہ''۔ تو حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو؟ اس سے بہتر تھا کہ اللہ کو یاد کر لیتے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم تو دُنیا کی مذمّت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ''دِل میں جس کی محبت ہوتی ہے انسان اُسی کا تذکرہ زبان سے زیادہ کرتا ہے، لگتا ہے تم لوگوں کے دِلوں میں دُنیا کی محبت ہے اسی لیے اُس کا تذکرہ سب سے زیادہ کر رہے ہو، چاہے کسی بھی صورت میں کر رہے ہو، میرے پاس سے اُٹھ کر چلے جاؤ''۔

یعنی اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کرتے ہو؟ جتنا وقت بُرائی کی یاد میں گزارا ہے اگر وہ وقت یادِ حق میں گزار لیتے تو دُنیا کے ساتھ آخرت میں بھی بہت نفع ہوتا۔ کیونکہ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ

(کنز العمّال: ۱۹۲/۳ (۶۱۱۴)، بیروت)

''دُنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے''۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور ساری مجلس میں اللہ کا کوئی ذکر نہ کرے، قیامت کے روز یہ مجلس اس کے لیے حسرت وندامت ہوگی۔

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہِ دوست
مجلس وہ ہے وبال جہاں یادِ حق نہ ہو

اسی لیے لایعنی کلام اور بے فائدہ مجلسِ احباب کو اہلِ بصیرت نے گناہوں کی فہرست میں داخل کیا ہے، اور بعض روایاتِ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (چنانچہ) حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''انسان کا اسلام درست وصحیح ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے''۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ، عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بحوالہ گناہِ بےلذّت)

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفس جب دیکھتا ہے کہ یہ بندہ فلاں گناہ نہیں کر رہا، فلاں بُرے کام سے دُور دُور رہتا ہے، تو وہ مختلف حیلوں بہانوں سے قریب لانے کے لیے زبان پر اس کے تذکرے لانا شروع کر دیتا ہے اور پھر رَفتہ رَفتہ دِل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے حتیٰ کہ نفرت محبت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ جیسے ایک شخص کے دل میں مال ودولت کی محبت نہیں ہے، لیکن اگر وہ ایسے دوستوں کی مجلس اختیار کرلیتا ہے جن کا شغل دِن رات ''روپیہ پیسہ اور مال کمانا'' ہے، تو ان کی صحبت کی وجہ سے بالآخر

اس کے دِل میں بھی حُبِّ مال کا بیج لگ جاتا ہے اور پودا نکلنا شروع ہوجاتا ہے، یعنی اس کی زبان پر بھی وہی تذکرے عام ہونا شروع ہوجائیں گے جو اس کے دوستوں کے ہیں۔

اسی لیے مرشدی ومحبوبی حضرت والا مجدّدِ زمانہ نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ حرام لذّت درآمد کرنے کے لیے نفس کبھی محبت کی صورت میں بدنظری کراتا ہے اور کبھی غصے کی حالت میں، اس لیے غافل مت ہونا، بچ کے رہنا۔ کیونکہ محبت کی صورت میں تو بچنے کا اِمکان ہے، شاید بُرا فعل ہونے کا احساس ہوجائے، لوگ کیا کہیں گے، وغیرہ۔ مگر غصے کی حالت کو نظرانداز کردے گا کہ میں کون سا مزے لے رہا تھا۔ حالانکہ نفس اندر ہی اندر حرام لذت بھی درآمد کررہا ہوتا ہے مشاہدۂ حُسن کے ذریعہ۔

المختصر! ہمارے دل کی ترجمانی ونمائندگی اچھی ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے اور اُن سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے، اس کی برکت سے ہمارے قلوب جملہ ماسوائے اللہ کی محبت سے پاک ہوجائیں گے، اور جب دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی تو زبان پر بھی پھر اُسی کے تذکرے ہوں گے ؏

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

زبان پر ربّا کریم کی مخلوق کے ساتھ اچھے بول ہوں گے، غیبت، چغلی، جھوٹ وغیرہ سے خود بخود حفاظت ہوجائے گی، اِن شآء اللہ العزیز۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہمِ سلیم اور قلبِ سلیم عطا فرمائے، نفس وشیطان کے جملہ مکر وفریب سے محفوظ رکھے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

......★......

؎ میرے غم کی جو ترجمان نہیں
وہ زبان عشق کی زبان نہیں

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چالیس اَغلاط العوام

انتخاب و حاشیہ:
محمد ارمغان ارمان

از افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایسے غلط عقائد و مسائل جن کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے مگر اکثر عوام میں مشہور و مروّج ہیں، اور اُن اغلاط پر اتنا یقین اور پختہ عمل ہے کہ علماء سے تحقیق کی کوشش نہیں کرتے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ایسے ہی غلط عقائد و مسائل پر ایک چھوٹا رسالہ ''اَغلاط العوام'' کے نام سے تحریر فرمایا تھا، تاکہ حقیقتِ حال معلوم ہو کر شریعت و سنت کے مطابق عقیدہ اور عمل درُست ہو جائے۔

مذکورہ رسالہ میں سے چالیس اَہم مسائل کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے، احقر نے حاشیہ میں مشکل الفاظ کا آسان مطلب و مفہوم لکھ دیا ہے تاکہ اِستفادہ میں آسانی ہو۔ (جامع)

مسئلہ (۱) مشہور ہے کہ گالی دینے سے چالیس روز تک ایمان سے دُور ہو جاتا ہے، اگر اس مدت میں مَر جاوے تو بے ایمان مَرتا ہے، سو یہ محض غلط ہے۔ ہاں گالی دینے کا گناہ الگ بات ہے۔

مسئلہ (۲) بعضی عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دُلہن اپنے گھر یا صندوق وغیرہ کو قُفل[1] لگا دے تو اس کے گھر کا تالا لگ جاتا ہے یعنی ویران ہو جاتا ہے، یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مسئلہ (۳) بعض عوام خصوصاً عورتیں کہتی ہیں کہ دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے مقروض ہو جاتا ہے، یہ خیال غلط ہے۔

مسئلہ (۴) بعض عوام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو مُردوں کی رُوحیں اپنے اپنے گھروں میں آتی ہیں اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر دیکھتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے، اگر کچھ ثواب ملے گا تو خیر ورنہ مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہیں۔

مسئلہ (۵) بعضی عورتیں ایسی عورت کے پاس کہ جس کے بچے اکثر مَر جاتے ہوں، خود

[1] چابی کے ساتھ کھلنے والا لوہے کا تالا۔

جانے اور بیٹھے سے رُکتی ہیں اور اپنے بچوں کو بھی ایسی جگہ جانے سے روکتی ہیں اور یوں کہتی ہیں کہ مَرت بیائی لگ جائے گی ❶۔ یہ بہت بُری بات ہے، ایسا کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

مسئلہ (٦) مشہور ہے کہ اگر کسی کے گھر میں لڑائی کروانی منظور ہو تو اُس گھر میں ''سہ'' ❷ کا کانٹا رکھ دو، سو جب تک وہ کانٹا اس گھر میں رہے گا اہلِ خانہ لڑتے رہیں گے۔ سو یہ محض غلط بات ہے۔

مسئلہ (٧) مشہور ہے کہ جب اُولا ❸ پڑے تو موسل ❹ کو سیاہ کر کے باہر پھینک دیا جائے تو اَولے بند ہو جاتے ہیں، سو یہ غلط ہے۔

مسئلہ (٨) مشہور ہے کہ کسی کا ستر ❺ کھلا ہوا نظر پڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ (٩) مشہور ہے کہ سُوَر ❻ کے دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ (١٠) بعضے کہتے ہیں کہ جس وضو سے جنازہ کی نماز پڑھی ہو اس سے پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز نہ پڑھے، سو یہ بھی محض غلط ہے۔

مسئلہ (١١) مشہور ہے کہ زچّہ ❼ جب تک غسل نہ کرے اس کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانا درُست نہیں۔ یہ بھی غلط ہے، حیض اور نفاس میں ہاتھ ناپاک نہیں ہوتے۔

مسئلہ (١٢) مشہور ہے کہ چاند اور سورج کے گہنے کے وقت کھانا پینا منع ہے، سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔ البتہ وہ وقت ''توجہ الی اللہ'' کا ہے اس وجہ سے کھانے پینے کا شغل ترک کر دینا اور بات ہے۔ رہا یہ کہ دنیا کے تمام کاروبار بلکہ گناہ تک تو کرتا رہے اور صرف کھانا پینا چھوڑ دے، یہ شریعت کو بدل ڈالنا اور بدعت ہے۔

---

❶ یعنی اس کے بچے بیمار ہو جائیں گے۔ ❷ ایک جانور جو چوہے سے ملتا جلتا ہے اور اس کے بدن پر کانٹے ہوتے ہیں، اسے عربی زبان میں ''قنفذ'' کہتے ہیں۔ ❸ یخ بستہ پانی کے ٹکڑے جو بارش کے ساتھ یا بارش کے بغیر آسمان سے برستے ہیں، ژالہ۔ ❹ یعنی چُھری سے اُولا کاٹ کر پھینکنا۔ ❺ جسم کا وہ حصہ جس کا چھپانا واجب ہو۔ ❻ خنزیر۔ ❼ وہ عورت جس کے حال ہی میں بچہ پیدا ہوا ہو، اس پر زچّہ کا اطلاق بچے کی ولادت سے لے کر چالیس دن تک ہوتا ہے۔

مسئلہ(۱۳) بعض عورتیں نماز پڑھ کر جانماز کا گوشہ ❶ یہ سمجھ کر اُلٹ دینا ضروری سمجھتی ہیں کہ شیطان اس پر نماز پڑھے گا، سواس میں کسی بات کی بھی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ(۱۴) بعض کا خیال ہے کہ تہجد کے بعد سونا نہ چاہیے ورنہ تہجد جاتا رہتا ہے، سواس کی کوئی اصل نہیں اور بہت آدمی اسی وجہ سے تہجد سے محروم ہیں کہ صبح تک جاگنا مشکل ہے اور سونے کو ممنوع سمجھتے ہیں، سو جان لینا چاہیے کہ سورہنا بعد تہجد کے دُرست ہے۔

مسئلہ(۱۵) مشہور ہے کہ اندھیرے میں نماز پڑھنا ناجائز ہے، سو یہ محض غلط ہے۔ البتہ اتنی اٹکل ❷ ضرور رہے کہ قبلہ سے بے رُخ نہ ہو۔

مسئلہ(۱۶) بعض لوگ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کر کے دونوں طرف سلام بھی پھیرے، یہ بھی محض غلط ہے۔

مسئلہ(۱۷) عوام میں مشہور ہے کہ داہنا انگوٹھا سرک جانے سے نماز جاتی رہتی ہے، سو یہ محض غلط ہے۔ البتہ بلاضرورت اُٹھانا بہت عیب ہے۔

مسئلہ(۱۸) اکثر عوام کو دیکھا ہے کہ جماعت میں صف بندی کے وقت پاؤں کا انگوٹھا ملا کر سیدھی کیا کرتے ہیں، حالانکہ کندھے اور ٹخنے کی سیدھ کرنے سے صف سیدھی کرنی چاہیے۔

مسئلہ(۱۹) اکثر عوام کو اس کا اِلتزام کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ جمعہ کا پہلا خطبہ سننے کے وقت دونوں ہاتھ کو باندھ لیتے ہیں اور دوسرا خطبہ سننے کے وقت دونوں ہاتھ زانو ❸ پر رکھ لیتے ہیں، یہ بھی بے اصل بات ہے۔

مسئلہ(۲۰) اکثر عوام جمعہ کے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک سن کر بلند آواز سے دُرود شریف پڑھتے ہیں، یہ جائز نہیں، زبان سے دُرود شریف نہ پڑھے ہاں دل ہی دل میں پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسئلہ(۲۱) مشہور ہے کہ دوپہر کے وقت قرآن پڑھنا ممنوع ہے، سو یہ محض غلط ہے، البتہ نماز پڑھنا اس وقت ممنوع ہے۔

---

❶ کونا، کنارا۔ ❷ شعور، اندازہ وغیرہ۔ ❸ گھٹنا، ران۔

مسئلہ(۲۲) اس طرف اکثر عامل ❶ بھی التفات ❷ نہیں کرتے کہ آیاتِ قرآنیہ کو بے وضو لکھ دیتے ہیں، اسی طرح بے وضو آدمی کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں، اس کا لکھنا اور مَس ❸ کرنا دونوں بلا وضو نا جائز ہیں۔

مسئلہ(۲۳) مشہور ہے کہ خاوند بیوی کے جنازہ کا پایا بھی نہ پکڑے۔سو یہ بھی محض غلط ہے، اجنبی لوگوں سے وہ زیادہ مستحق ہے۔

مسئلہ(۲۴) مشہور ہے کہ میّت اگر گھر میں یا محلّہ میں ہو تو اس کے لے جانے تک کھانا پینا گناہ ہے، یہ بات بھی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ(۲۵) بعضے عوام محرم ❹ میں قبروں پر تازہ مٹی ڈالنے کو ضروری سمجھتے ہیں،سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ(۲۶) اکثر جگہ دستور ہے کہ جنازہ دفن کرتے وقت مُردہ کو قبر میں چِت ❺ لِٹا کر صرف اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں بلکہ قبلہ کی طرف بالکل کروٹ دے دینا چاہیے۔

مسئلہ(۲۷) مشہور ہے کہ ایک روزہ رکھنا اچھا نہیں،اس مشہور کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ(۲۸) عوام میں مشہور ہے کہ جو شخص شش عید ❻ کے روزے رکھا چاہے اس کو چاہیے کہ ایک روزہ ضرور عید سے اگلے ہی دن رکھے ورنہ پھر وہ روزے نہ ہوں گے،سو یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

مسئلہ(۲۹) بعض عوام کہتے ہیں کہ بقر عید کے روز قربانی کرنے تک روزہ سے رہے، یہ محض بے اصل ہے۔البتہ قربانی سے اوّل کھانا کھانا مستحب ہے،لیکن وہ روزہ نہیں ہے،نہ تو کھانا فرض ہے نہ روزہ کا ثواب ہے،نہ روزہ کی نیت ہے۔

مسئلہ(۳۰) بعض عوام سمجھتے ہیں کہ غصہ میں یا دَھمکانے کی نیت سے اگر طلاق دے دے تو

---

❶ مراد تعویذ، گنڈا کرنے والا۔ ❷ توجہ، دھیان۔ ❸ چھونا۔ ❹ اسلامی (ھجری) سال کا پہلا مہینہ۔ ❺ سیدھا۔ ❻ ماہِ شوال المکرّم کے چھ روزے۔

طلاق نہیں ہوتی، سو یہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ (۳۱) عوام میں مشہور ہے کہ مُریدنی کو پیر سے پَردہ نہیں، سو یہ محض غلط ہے، جیسے اور مَرد ہیں ایسا ہی پیر ہے۔

مسئلہ (۳۲) بعض لوگ سلام علیک کرتے وقت ماتھے پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں یا جھک جاتے ہیں اور بعض مصافحہ کر کے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہیں، یہ سب خلافِ شرع اور بے اصل ہیں۔

مسئلہ (۳۳) بعض عوام سمجھتے ہیں کہ مَرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کوئی مصیبت، رَنج، اور اس کے برعکس ہونے سے خوشی پیش آتی ہے، سو یہ محض غلط خیال ہے۔

مسئلہ (۳۴) بعضے عوام کسی خاص دن یا کسی خاص وقت میں سفر کرنے کو بُرا یا اچھا سمجھتے ہیں، یہ کفار یا نجومیوں کا اعتقاد ہے۔

مسئلہ (۳۵) اکثر عوام کہتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے سے یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر درپیش ہوتا ہے، یہ سب لغو اور مہمل بات ہے۔

مسئلہ (۳۶) بعض عورتیں مکان کی مُنڈیر[1] پر کوّے کے بولنے سے کسی مہمان کی آمد کا شگون لیتی ہیں، یہ خیال گناہ ہے۔

مسئلہ (۳۷) ہمارے یہاں مروّج ہے کہ جب کوئی آدمی کہیں جا رہا ہو اور اس کو پیچھے سے بلایا جائے تو وہ لڑائی لڑنے پر تیار ہو جاتا ہے کہ مجھے پیچھے سے تم نے کیوں بلایا ہے؟ کیونکہ میرا کام نہیں ہوگا۔ سو اس بات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ (۳۸) مشہور ہے کہ رات کے وقت درخت نہ ہلائے کہ وہ بے چین ہوتا ہے، یہ بھی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ (۳۹) بعض کو خاص استخارہ اس غرض سے بتلاتے دیکھا ہے کہ اس سے کوئی واقعہ ماضیہ یا مستقبلیہ معلوم ہو جاوے گا، سو استخارہ اس غرض کے لیے شریعت میں منقول نہیں، بلکہ وہ تو محض

---

[1] دیوار کا اُوپر والا کنارا۔

کسی اَمر❶ کے کرنے نہ کرنے کا تردّد رَفع❷ کرنے کے لیے ہے نہ کہ واقعات معلوم کرنے کے لیے بلکہ ایسے استخارہ کے ثمرہ❸ پر یقین کرنا بھی ناجائز ہے۔

مسئلہ (۴۰) مشہور ہے کہ زمین پر نمک گرا دینے سے قیامت کے دن پلکوں سے اُٹھانا پڑے گا، یہ بھی محض بے اصل ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

......★......

اہلِ علم کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب

محی السنّہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

★......اہلِ علم جو اَہلِ مدارس کہلاتے ہیں ان کو بھی حسبِ حیثیت کچھ چندہ دینا چاہیے۔ جب علماءِ کرام ''انفاق کے فضائل'' بیان فرماتے ہیں، اگر کسی وقت کوئی عامی آدمی کھڑا ہو کر دریافت کرے کہ: ''مولانا! آپ اپنی آمدنی سے کتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں؟'' تو کیا جواب ہوگا؟ شرم سے گردن جھک جائے گی۔ کچھ نہ کچھ ہر اہلِ علم کو خواہ قلیل رقم ہی ہو، انفاق مالیہ کی سعادت حاصل کرنی چاہیے، اس عمل سے عوام کا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔

★......حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرتے تھے۔ اگر علماءِ کرام اپنا مال دیں تو اس میں زیادہ برکت بھی ہوگی۔

(مجالسِ ابرار: ۵۰۴، ۵۰۵)

★......اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ بھائی! کیا تم مدرسہ کو چندہ دیتے ہو، تو کم از کم کہہ سکے کہ ہم بھی دیتے ہیں اپنی وسعت کے مطابق۔ (ایضاً: ۴۲)

---

❶ یعنی کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا کہ کروں یا نہ کروں؟ کب اور کس وقت کرنا مناسب ہے؟ وغیرہ۔ ❷ شک وشبہ ختم کرنا۔ ❸ نتیجہ، انجام۔

کیا نتیجہ ہو گا کیونکر ہو گا یہ اَوہام چھوڑ
کام کر اور جس کا ہے کام اس پہ تو انجام چھوڑ
اَجر لے ناکام ہو کر بھی نہ ربّ کا کام چھوڑ
وقت میں جدّوجہد کر راحت و آرام چھوڑ
خواجہ مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ

الحمدللہ! مواعظِ حسنہ و دیگر اصلاحی رسائل خانقاہ سے مفت تقسیم کیے جاتے ہیں، لیکن مفت چھپتے نہیں ہیں بلکہ ان کی اشاعت پر زرِ کثیر خرچ ہوتا ہے۔ آپ بھی اس میں حصہ لے کر اپنے اور اپنے مرحومین کے لیے صدقۂ جاریہ بنا سکتے ہیں۔